عہدِ نبوی اور خلافتِ راشدہ کا نظامِ محاصل اور عصر حاضر

ڈاکٹر حافظ محمود اختر*

کسی بھی ملک کے مالیاتی نظام میں دیانت وامانت کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ دیانتداری وامانت داری مسلمہ اخلاقی اقدار ہیں۔ معاشرتی، سیاسی اور معاشی شعبوں میں ان اقدار کو وہی حیثیت حاصل ہے جو کسی جسم میں گردش کرنے والے خون کو حاصل ہوتی ہے۔ کسی جسم میں گردش کرنے والا خون اگر تندرست اور جراثیموں سے پاک ہے تو وہ جسم بھی تندرست وتوانا ہوگا لیکن اگر کسی کے خون میں کسی مرض کے جراثیم پیدا ہو جائیں تو یہ جسم بیماری کا شکار ہو جائے گا اور اگر ان جراثیم کو خون سے ختم نہ کیا گیا تو یہ اس جسم کے خاتمے کا سبب بھی بن سکتے ہیں۔

اگر کسی ملک کے مالیاتی نظام میں بددیانتی اور خیانت سرایت کر جائے تو وہاں دولت کی عادلانہ تقسیم ممکن نہیں رہتی۔ اگر سرکاری کارندے اور افسران بدعنوانی میں ملوث ہو جائیں تو ملکی خزانہ غلط طور پر استعمال ہونے لگتا ہے۔ غیر حقدار لوگ تو ناجائز ذرائع سے سب کچھ لے جاتے ہیں لیکن حقدار محروم رہ جاتے ہیں۔ ملکی آمدنی عوام تک نہیں پہنچ پاتی۔ عوام سرکاری خزانے اور قومی آمدنی سے مستفید نہیں ہو پاتے۔ سرکاری افسران تو بہت امیر ہوتے جاتے ہیں لیکن عوام کے حصے میں غربت ہی آتی ہے۔ ملکی خزانہ تو خالی ہو جاتا ہے لیکن ملک غریب اور سرکاری افسران امیر ہو جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملکی اخراجات چلانے کے لئے ملک سرمایہ دار ملکوں کا مقروض ہو جاتا ہے اور یہ سرمایہ دار ممالک اکثر اوقات ایسی شرمناک شرائط کے ساتھ قرض دیتے ہیں کہ ملک سود در سود ادا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات یہ شرائط ملکی سلامتی کے سراسر مخالف ہوتی ہیں۔

کرپشن ایک طرف ملک کے اندر دولت کی تقسیم کو غیر عادلانہ بناتی ہے اور دوسری طرف سرکاری خزانہ عوام کی بجائے بااثر لوگوں کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے۔ وہاں پوری قوم اخلاقی طور پر بدعنوانی کے مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ رشوت کے ذریعے ہر کام ممکن ہو سکتا ہے۔ پوری قوم کی اخلاقی حس مردہ ہو جاتی ہے۔ ہر طرف بدعنوانی کی فضاء چھا جاتی ہے۔ لوگ رشوت دے کر ہر جائز و ناجائز کام کروا لیتے ہیں اور سرکاری کارندے رشوت کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے۔

خداخوفی، مالیاتی معاملات میں اعتدال وتوازن اور امانتداری و دیانتداری پیدا کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اصول وضوابط خواہ کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔ اگر لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف نہ ہو تو کوئی چیز انہیں برائی اور خیانت سے

* پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

روک نہیں سکتی۔ یہ بات کہی جاتی ہے کہ سزا کے خوف سے آپ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اعلانیہ جرائم سے روک سکتے ہیں۔لیکن وہ جرائم جو خفیہ طور پر ہوتے ہیں قانون اور اختیار انہیں روک نہیں سکتا۔اسی طرح اچھائی اور دیانت داری اختیار کرنے پر کسی کو جبراً تیار نہیں کیا جا سکتا۔اگر دل میں خوف خدا موجود ہو تو اعلانیہ اور خفیہ تمام جرائم سے انسان بچ جاتا ہے۔خصوصاً مالی معاملات میں تو انسان کی نیت کو بہت بڑا دخل حاصل ہوتا ہے۔ملک کی مالیاتی پالیسی کی کامیابی کا بڑی حد تک دارومدار محاصل وصول کرنے والے عملہ کی دیانتداری اور شفاف نظامِ محاصل کے قیام اور اس پر عمل درآمد پر ہوتا ہے۔

عہد نبوی اور عہد خلافتِ راشدہ میں سرکاری طور پر زکوٰۃ اور دیگر محاصل وصول کرنے کیلئے عملہ متعین کیا جاتا تھا اور اس کیلئے ایک نظام موجود تھا۔اس نظام کا مطالعہ ہمیں دورِ حاضر میں زکوٰۃ اور دیگر محاصل کی وصولی کیلئے راہنما اصول مہیا کر سکتا ہے۔ اس مضمون کا بنیادی موضوع اسلامی ریاست میں زکوٰۃ اور کسی بھی طرح کے ٹیکس وصول کرنے کے بنیادی اصول وضوابط ہیں اگرچہ اس کیلئے زکوٰۃ، جزیہ یا خراج کے الفاظ اسلامی کتب میں استعمال ہوئے ہیں۔

اسلامی ریاست میں اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔سورۃ الحج کی آیت نمبر ۴۱ میں فرمایا کہ ''اگر ہم انہیں زمین میں حکومت عطا کریں تو یہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں''۔سورۃ التوبۃ کی آیت نمبر ۱۰۳ میں نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ ''آپ لوگوں سے صدقات وصول کیا کریں۔'' ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ ان سے ان کے اموال پر صدقات وصول کیا کریں۔'' اسی طرح اسی سورت کی آیت نمبر ۶۰ سے بھی اسی طرف اشارہ ملتا ہے کہ مویشیوں وغیرہ کی زکوٰۃ حکومت وصول کرے گی۔حضور اکرم ﷺ اور آپؐ کے بعد خلفاء نے اس کام کیلئے ایک باقاعدہ نظام (Network) قائم کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان لوگوں کے خلاف قتال کیا جنہوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

امام ابوعبیدؒ نے اس سلسلے میں روایات بیان کی ہیں کہ اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ حکومت وصول کرے گی۔ان روایات کے بیان کے بعد وہ لکھتے ہیں ہماری مذکورہ بالا تمام روایات جن کی رو سے زکوٰۃ حکام کو دینا اور اسے اپنے طور پر بانٹ دینا دونوں طریقوں پر عمل ہوتا رہا ہے۔لیکن یہ صورت نقدی سونا اور چاندی کی زکوٰۃ سے مخصوص ہے۔اس کا مالک مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے جس صورت میں بھی زکوٰۃ دے وہ اپنے ذمہ عائد ہونے والے فرض سے بری ہو جائے گا۔وہ فرماتے ہیں ''ہمارے نزدیک اہل حجاز اور اہل عراق وغیرہ کے محدثین وفقہا کا سونے چاندی اور نقدی کے متعلق یہی نقطہ نگاہ ہے۔اس لئے کہ اس بارے میں مسلمانوں کو اسی طرح امین تصور کیا جائے گا جیسے انہیں نماز کے معاملے میں امین سمجھا جاتا ہے(۱)۔ امام ابوعبیدہ لکھتے ہیں:

''مویشیوں، غلوں اور پھلوں وغیرہ کے معاملے میں زکوٰۃ لازمی طور پر حکام ہی وصول کریں گے۔اگر

مالک ان اشیاء کی زکوٰۃ اپنے طور پر بانٹ دیں گے تو ان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ انہیں دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی۔ آثار وروایات میں ان دونوں قسموں کی زکوٰۃ میں فرق کیا گیا ہے۔''اس بیان کی تائید میں امام ابوعبید لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تمام صحابہؓ کی موجودگی میں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے خلاف جہاد کیا تھا۔لیکن سونے چاندی کی زکوٰۃ حکومت کے پاس جمع نہ کروانے والوں کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی تھی۔مزید یہ کہ علماء نے اس پر ہی فتویٰ دیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان زکوٰۃ لے کر کسی عامل کے پاس آئے اور اس سے زکوٰۃ وصول کرے تو سمجھا جائے گا کہ اس شخص کی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔اس کے بعد امام ابوعبید نے کئی روایات نقل کی ہیں کہ اگر کوئی شخص کچھ رقم عامل زکوٰۃ کو ادا کرے تو اسے زکوٰۃ ہی میں شمار کیا جائے گا''(۲)

دیانتدار محصّل زکوٰۃ کا مقام:

زکوٰۃ کا تعلق ایک عبادت کی ادائیگی کے ساتھ ہے جو ارکان اسلام میں سے ایک ہے(۳)۔اس کے علاوہ یہ اسلامی ریاست میں بسنے والے غرباء اور محتاجوں کی مدد کا بنیادی ذریعہ ہے۔قرآن حکیم میں زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم حکومت کو دیا گیا اور دوسری طرف اغنیاء کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا(۴)۔یہ مسلمانوں کا ایسا فریضہ ہے جس کے ادا نہ کرنے والوں کیلئے دنیا میں نقصان اور آخرت میں جہنم کی وعید سنائی گئی ہے(۵)۔اسلامی ریاست میں معاشی توازن قائم کرنے اور گردش دولت کیلئے زکوٰۃ اور بقیہ محاصل کا بنیادی کردار ہے، اس لئے اس عظیم کام پر جو شخص سرکاری طور پر متعین ہوگا اس کی حیثیت بڑی کلیدی ہوگی۔

بنی کریم ﷺ کی مالیاتی حکمت عملی کی ایک نمایاں بات یہ ہے کہ آپؐ نے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو ان کے منصب کی اہمیت اور نزاکت کا احساس دلایا۔رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

''اَلْعَامِلُ عَلَى الصَّدَقَةِ لِوَجْهِ اللهِ تَعَالىٰ كَالْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلىٰ اَهْلِهِ''(۶)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

''ایسا مسلمان خازن جو محاصل وصول کرنے کے لیے متعین کیا جائے اور وہ وصول شدہ تمام محاصل مکمل طور پر امیر کے سامنے جمع کرا دے تو ایسا شخص بھی ایک طرح سے صدقہ کرنے والا ہے''اس سلسلے میں بہت سی احادیث موجود ہیں(۷)۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ وہ عامل جو حق کے مطابق صدقہ وصول کرتا ہے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مانند ہے یہاں تک کہ وہ گھر واپس آئے(۸)۔ایک اور روایت میں ہے کہ''عامل زکوٰۃ کو اس منصب پر فائز کیا گیا اور اس نے حق

کے مطابق زکوٰۃ وصول کی۔ کوئی بد دیانتی نہیں کی اور زکوٰۃ دہندہ پر ظلم نہیں کیا تو ایسا شخص اس وقت تک اللہ کی راہ میں لڑنے والے مجاہد کی مانند ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ کر گھر آجائے'' (۹) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول ﷺ نے فرمایا:

''خَيْرُ الْكَسْبِ كَسْبُ الْعَامِلِ اِذَا نَصَعَ'' (۱۰)

''بہترین کام عامل کا کام ہے جب تک وہ خیر خواہی کے ساتھ کام کرے''

حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو عامل زکوٰۃ بنا کر بھیجا۔ پھر اسے مدینہ میں خلیفہ نے دیکھ لیا۔ اس سے پوچھا کہ کیا تمہیں پسند نہیں ہے کہ تم جہاد کی طرح ایک کام میں لگے رہو (۱۱)۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک بیت المال کو مضبوط کرنے اور مسلمانوں کے معاشی مسائل کی کس قدر فکر تھی کہ وہ مملکت اسلامیہ کی معیشت کے کام کو جہاد سے بھی بڑا کام قرار دے رہے ہیں)

مسند احمدؒ میں ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''عنقریب اللہ تعالیٰ مشرق ومغرب کے خزانے کھول دے گا۔ بے شک تمہارے عمال (جو زکوٰۃ وصول کرنے میں لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ان کے حقوق مارتے ہیں، غنیمت کے مال میں بددیانتی کرتے ہیں اور حاصل کی ہوئی چیزوں کو حاکم سے چھپاتے ہیں) جہنم میں جائیں گے۔ سوائے ان عمال کے جو محاصل وصول کرتے وقت اللہ سے ڈرتے رہے اور جنہوں نے امانت ادا کر دی یعنی جو کچھ وصول کیا تھا اسے امانت داری کے ساتھ بیت المال میں جمع کروا دیا'' (۱۲)

عامل زکوٰۃ کے اوصاف:

نبی کریم ﷺ نے مالیاتی بلکہ پورے انتظامی ڈھانچے کی اصلاح کے لئے جو حکمت عملی اختیار فرمائی، اس کا ایک ستون ان عہدوں پر متمکن ہونے والے لوگوں کا معیار، صلاحیت اور اعلیٰ اخلاق تھا۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کی مختلف آیات میں مختلف عہدوں پر تعینات ہونے والے لوگوں کے معیار کے بارے میں اشارات دئے گئے ہیں۔ مثلاً سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۴۸ میں علم اور جسمانی مضبوطی کا ذکر ہے، اسی سورت کی ۱۲۴ نمبر آیت میں فرمایا گیا کہ ''ظالم کو اللہ خلافت ومنصب سے نہیں نوازتے۔'' گویا ظالم آدمی اس عہدے کے لئے اہل نہیں ہے۔ اس کے برعکس عدل ہے۔ گویا کسی منصب پر فائز ہونے والا عدل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ سورۃ یوسف کی آیت نمبر 55 میں ''حفیظ'' اور ''علیم'' کی صفات بھی بیان کی گئی ہیں۔ یعنی ایک محافظ کیلئے جس طرح کی صلاحتیں مطلوب ہوتی ہیں مثلاً طاقتور، جرأت مند، پرُ اعتماد، دیانتدار، متقی جیسی صفات اور علیم کا مطلب چوکنا اور باخبر معاشیات کا علم رکھنے والا شخص اس منصب کے لئے اہل ہے۔

قرآن مجید اور حدیث نبوی میں امانتوں کا لحاظ رکھنے اور خیانت سے بچنے کا حکم ہے۔ اس سے یہ اصول ملتا ہے کہ سربراہ

اور محکمہ خزانہ کے ذمہ دار لوگ ان دونوں صفات سے متصف ہونے چاہییں۔ المومنون: 8، المعارج: ۳۲، الانفال: ۲۷، النساء: ۱۰۵ میں اسی بات کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۲۸ میں یہ عمومی اصول دیا گیا کہ ''اللہ جسے چاہتا ہے منصب عطا فرماتا ہے۔'' الکہف ۲۸، النور: ۵۵، الانبیاء: ۱۰۵، بنی اسرائیل: ۷۰، ص اور یوسف: ۵۵ میں بھی یہ صفات دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان آیات کی روشنی میں نبی کریم ﷺ نے بھی اصول وضوابط بیان فرمائے۔ مسلم مفکرین سیاست نے ان آیات واحادیث کی روشنی میں اصول مرتب کئے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک عامل زکوٰۃ کا مسلمان ہونا لازم ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک روایت کی رو سے مسلمان ہونے کی شرط لازم ہے (۱۳)۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ خراج وصول کرنے والا عامل قوت اور امانت کی صفات سے متصف ہو۔ قوت کی خصوصیت اس لئے ضروری ہے کہ خراج وصول کرنا ایک مشقت اور محنت والا کام ہے۔ کمزور آدمی کے بس کی بات نہیں کہ وہ لوگوں سے خراج وصول کر سکے۔ اسی طرح محاصِل وصول کرنا چونکہ مالی معاملہ ہے اور مال میں خیانت کا امکان ہوسکتا ہے اس لئے امانت دار ہونا بھی ضروری ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ان دونوں صفات کا حامل ایک شخص نہ مل سکے تو اس منصب کیلئے دو شخص بھی متعین کئے جاسکتے ہیں۔ ایک قوت وطاقت والا اور دوسرا امانتدار (۱۴)۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں عامل کیلئے کچھ خصائص اس طرح بیان کئے ہیں:

> ''امانت دار، معتمد علیہ (جس کی دیانت وامانت پر اعتماد کیا جاسکے)۔ پاک باز۔ خیر خواہ۔ جس پر خلیفہ کو اپنے اور اپنی رعایا کے سلسلے میں پورا اطمینان ہو''۔ امام ابوسف نے خلیفہ کو یہ نصیحت فرمائی کہ ایسے معتمد علیہ لوگوں کو عامل کے طور پر متعین کیا جائے جن کی ایمانداری اور طور طریقوں کا علم ہو۔ یہ اپنے علاقے سے صدقات اکٹھے کر کے اپنے انچارج کے پاس لائیں۔ جب زکوٰۃ اکٹھی ہو جائے تو آپ خود خلیفہ اس کے مصارف کے بارے میں حکم دیں۔ اس کی تحصیل وتقسیم کا کام محصلین پر ہی نہ چھوڑ دیں اور صدقات اور خراج وغیرہ کی آمدنی کو خلط ملط نہ ہونے دیں۔ کیونکہ زکوٰۃ تو صرف انہی آٹھ قسم کے لوگوں میں تقسیم ہوگی جن کا ذکر قرآن میں ہے اور دیگر ٹیکس تمام لوگوں کو دیئے جاسکتے ہیں۔''

امام ابو یوسف خلیفہ کو نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امیر المومنین! خدا آپ کو سلامت رکھے، میری رائے یہ ہے کہ آپ بھلے دین دار اور امانت دار لوگوں کو تحصیل خراج پر مامور کریں۔ یہ ذمہ داری اُسی کے سپرد کیجئے جو عالم اور فقیہہ ہو، اہل الرائے کے مشورہ سے کام کرتا ہو اور پاک دامن پاک باز ہو۔ لوگوں کو اس میں اخلاقی خرابیاں نہ نظر آئیں اور خدا کے کام میں وہ کسی کی ملامت کی پروانہ کرتا ہو۔ جو حقوق کی پاس داری اور ادائے امانت کا فریضہ ثواب پانے اور جنّت حاصل کرنے کی خاطر ادا کرے اور اگر اس سے اس کے خلاف کوئی فعل سرزد ہو جائے تو اس بات سے ڈرے کہ اللہ اسے اس کی موت کے بعد سزا دے گا۔ جو گواہی دے تو اس کی گواہی قبول کی جاسکتی ہو، اور اگر فیصلہ کرنے بیٹھے تو اس سے ظلم وجور کا اندیشہ نہ ہو (۱۵)۔

الماوردی نے اس کیلئے آزاد، مسلمان، عادل (نیک چلن) کی شرائط بیان کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر عُمال کا تعلق تفویض سے ہو تو عامل کا مسائلِ زکوٰۃ کا عالم ہونا بھی شرط ہے۔ اگر صرف زکوٰۃ وصول کرنے پر ہی مقرر کیا گیا ہو تو زکوٰۃ کے مسائل سے ناواقف کا تقرر بھی جائز ہے۔ الماوردی کے نزدیک زکوٰۃ کی وصولی کیلئے ذوی القربیٰ (حضورؐ کے خاندانی تعلق والے) جن پر زکوٰۃ حرام ہے انہیں بھی عامل کے طور پر مقرر کیا جاسکتا ہے مگران کی تنخواہ سرکاری خزانہ میں سے دی جائے گی اکٹھی کی ہوئی زکوٰۃ کی رقم میں سے نہیں دی جائے گی کیونکہ آپؐ کی آل کیلئے زکوٰۃ سے لینا جائز نہیں (۱۶)۔ الفقہ علی المذہب الاربعیہ میں لکھا ہے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ آزاد، مسلمان ہو۔ ہاشمی نہ ہو۔ انصاف پسند اور اَحکامِ زکوٰۃ سے واقف ہو۔ لہذا کسی کافر، فاسق یا مسائل زکوٰۃ سے ناواقف شخص کو اس کام پر مامور نہ کیا جائے تاہم اگر حکمران کسی غلام یا ہاشمی کو مقرر کردے تو یہ تقرری نافذ تو ہوگی۔ لیکن اس کی تنخواہ زکوٰۃ کے مَصرَف، عاملین'' میں سے نہیں دی جائے گی بلکہ بیت المال میں سے دی جائے گی (۱۷)۔ قرآن مجید، احادیث نبویہ اور مذکورہ بیانات کی روشنی میں ایک عامل زکوٰۃ کو مندرجہ ذیل صفات کا حامل ہونا چاہیے۔

مسلمان۔ متقی۔ امانت دار۔ دیانتدار۔ قوی وجرأت مند۔ آزاد۔ عادل ونیک چلن۔ مسائل زکوٰۃ سے آگاہ ہو جہاں تک ہاشمی نہ ہونے کا تعلق ہے تو اگر ہاشمی کو متعین کیا گیا تو اس کو تنخواہ بیت المال سے ادا ہوگی۔ امام ابو یوسف کا خیال ہے کہ سربراہ مملکت عاملین کے چیف کا تقرّر کرے پھر یہ چیف اپنے تحت ایک سیکریٹیٹ قائم کرے۔

عامل زکوٰۃ کی تقرری:

نبی کریم ﷺ نے محاصل کی وصولی کے سلسلے میں ہمیشہ احتیاط سے کام لیتے ہوئے اپنے ساتھ قریبی تعلق رکھنے والے کسی بھی فرد کو کبھی محاصل وصول کرنے کی ذمہ داری نہیں سونپی۔ طبقات ابن سعد، کتاب الخراج، زاد المعاد، فتوح البلدان وغیرہ میں ان لوگوں کے اسمائے گرامی یکجا کئے گئے ہیں جو عہد نبوی میں وصولی کے کام پر متعین کئے جاتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا تعلق خاندان نبوت سے ہو (۱۹)۔ بلکہ آپؐ کے خاندان میں سے اگر کسی نے کسی موقع پر اس خواہش کا اظہار کیا بھی کہ اسے مالیات کے شعبے میں کوئی ذمہ داری سونپی جائے تو آپؐ نے دوٹوک انداز میں انکار فرمادیا کہ صدقات کے مال، آلِ محمد ﷺ کے لئے جائز نہیں کیونکہ یہ لوگوں کے اموال کی میل کچیل ہوتی ہے (۲۰)۔

عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث اور فضل بن عباس رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ ہمیں صدقہ وصول کرنے کے لئے عامل مقرر کردیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا محمدؐ اور آلِ محمد ﷺ پر صدقہ حرام ہے۔ یہ تو لوگوں کے مال کی میل کچیل ہے (۲۱)۔ خاندانِ نبوی کے کسی فرد کو اس منصب پر فائز نہ کرنے کا ایک مقصد اس خاندان کے شرف واحترام کے علاوہ یہ بھی تھا کہ اگر انہیں اس شعبے میں کوئی ذمہ داری سونپی جاتی تو ان کا معاوضہ انہیں حاصل شدہ محاصل سے ادا کیا جاتا۔ آپؐ نے یہ بات گوارا نہیں فرمائی

کہ زکوٰۃ وغیرہ سے آپؐ کے خاندان کے کسی فرد کو کسی بھی انداز سے بلاواسطہ یا بالواسطہ کچھ حاصل ہو۔

امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بیان کیا کہ انہیں حضرت عمرؓ نے بلایا اور فرمایا کہ حمص کا عامل فوت ہو گیا ہے وہ نیک آدمیوں میں سے تھا اور بھلائی آج بہت کمیاب ہے مجھے امید ہے تم بھی بھلے آدمی ثابت ہو گے۔ لہٰذا میں نے تمھیں حمص کا عامل بنانے کے ارادے سے بلایا ہے۔ لیکن فرمایا کہ مجھے تمھارے بارے میں ایک کھٹکا سا ہے۔ اگرچہ میرے اس خدشے کی تائید تمھارے کسی طرزِ عمل سے نہیں ہوئی تب بھی میرے دل میں کچھ خدشہ ہے۔ میں نے کہا کہ میں کوئی ذمہ داری اس وقت تک قبول نہیں کروں گا جب تک آپ اپنے اس خدشہ کا اظہار نہ کریں۔ اگر مجھ میں وہ نقص موجود ہے تو میں اپنے نفس کے اس رجحان کے بارے میں باخبر رہوں (اور اس کی اصلاح کی فکر کروں) اور اگر مجھ میں یہ خرابی نہیں ہے تو میں آپ کو اطمینان دلا دوں کہ مجھ میں یہ خرابی موجود نہیں ہے۔ عمرؓ نے فرمایا کہ میں اس بارے میں کسی قطعی رائے تک نہیں پہنچ سکا کہ تم لوگوں کو (ابن عباسؓ کے خاندان والوں) عاملِ صدقات بنائے جانے کی اہلیت کا حامل ہونے کے باوجود رسول ﷺ نے اس طرح کے کاموں سے علیحدہ کیوں رکھا۔ کیا آپؐ کو اس بات کا خدشہ تھا کہ تم لوگ نبی کریم ﷺ کی قرابت داری کے سہارے ایک دوسرے کی مدد کرنے لگ جاؤ گے۔ اس سے سرکاری خزانے کو بھی نقصان پہنچے گا اور تمھارے لئے یہ کوئی نیک نامی کا کام نہیں ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے اس بیان کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ اب عامل حکومت بننے کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اب میری بھی رائے یہی ہے کہ مجھے کوئی عہدہ قبول نہیں کرنا چاہیے۔ عہدہ قبول نہ کرنے کی وجہ پوچھی گئی تو ابن عباسؓ نے فرمایا:

> ''یہ اس لئے کہ اگر آپ کے دل میں وہ بات موجود رہی جو اس وقت آپ کے دل میں موجود ہے اور میں نے یہ عہدہ قبول کر لیا تو میں آپ کی نگاہوں میں برابر کھٹکتا رہوں گا (اور ہوسکتا ہے آپ خواہ مخواہ میرے بارے میں بدگمانی میں مبتلا رہیں حالانکہ میں کوئی غلطی نہ کر رہا ہوں) اس پر حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ پھر میں کسے عامل مقرر کروں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ایسے شخص کو عامل کو مقرر کریں جو آپ کے نزدیک بھی ہر خرابی سے پاک ہو اور جسے آپ کے خلاف کوئی شکایت بھی نہ ہو'' (۲۲)

اس پورے واقعہ سے جو نکات اخذ ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایک دیانت دار صحابی ہیں ان سے کسی طرح کا یہ شبہ نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ ناجائز طور پر اپنے خاندان کے کسی فرد کی مالی مدد کریں گے اور اس سے بیت المال کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔ انہوں نے جس بنا پر عامل بننے سے انکار کیا وہ ایک تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں اس طرح کا کوئی سرکاری عہدہ قبول کرنے کا شوق نہ تھا جس کے قبول کرنے سے ان کی ذات یا ان کے اہل خاندان کے بارے میں خلیفہ کو کوئی بدگمانی ہوسکتی ہو۔ دوسرا نقطہ یہ ہے کہ یہ ان کی عزت

نفس اور خودداری کا اظہار ہے۔ کیونکہ عزت نفس اور خاندانی خودداری سرکاری عہدے سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔

(عبداللہ ابن عباس کی شخصیت سے قطع نظر) جب کسی عہدے دار (خصوصاً مالی معاملات کے ذمہ دار) کو متعین کیا جائے تو اس کے اس پہلو کو بھی دیکھا جائے کہ اس کے خاندانی اور نسبی اثر ورسوخ کی وجہ سے محاصل کی وصولی پر کوئی منفی اثر تو نہیں پڑے گا؟ کہ لوگ اس سے علاقائی یا کسی اور تعلق کی بنیاد پر مالی فائدہ لے جائیں یا وہ کسی کو فائدہ دینے لگ جائے جیسا کہ اس واقعہ سے واضح ہو رہا ہے۔ اسی طرح کسی شخص کے ذاتی تقویٰ اور کردار کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ کسی کو ایسے علاقے میں متعین نہ کیا جائے کہ اس تعیناتی سے کسی بھی وجہ سے سرکاری خزانے کو نقصان پہنچتا ہو۔

عامر الشعبی نے بیان کیا ہے عمر بن الخطابؓ نے اہل کوفہ کو لکھا کہ وہ اپنے بہترین اور موزوں ترین افراد میں سے کسی کو آپ کے پاس بھیجیں۔ یہی بات آپ نے بصرہ اور شام کے لوگوں کو بھی لکھی۔۔۔۔۔ اہل کوفہ نے آپ کے پاس عثمان بن فرقد کو، اہل شام نے معن بن یزید کو اہل بصرہ نے حجاج بن علاط کو بھیجا۔۔۔۔ ان میں سے ہر ایک کو آپ نے اس علاقہ کے خراج کی تحصیل پر مامور کر دیا (۲۳)۔

گویا حضرت عمرؓ کے دور میں یہ پالیسی زیر عمل تھی کہ مرکز سے کسی فرد کو کسی صوبے میں عامل کے طور پر متعین کر کے نہ بھیجا جائے بلکہ یہ معاملہ بھی صوبوں اور علاقوں کے نامزد کردہ لوگوں میں سے بہترین لوگوں کے سپرد کیا جائے۔ عامل کی تعیناتی تو مرکز سے ہو لیکن اس کا تعلق اسی علاقے سے ہو جہاں کا وہ رہنے والا ہے۔ صوبے یہ نہ سمجھیں کہ ان پر مرکز نے اپنی پسند کا بندہ مسلط کر دیا ہے۔ صوبے کے لوگوں یا صوبے کی حکومت کی طرف سے نامزد کردہ شخص اس صوبے کے لوگوں کے سامنے قابل مواخذہ بھی ہوگا وہ صوبے کی ضروریات کو بھی سمجھتا ہوگا۔ صوبے کے مفادات کو بھی ملحوظ رکھے گا۔ اپنا وطن اور علاقہ ہونے کی وجہ سے اس کی ہمدردیاں بھی اس علاقے اور یہاں کے لوگوں کے ساتھ ہوں گی۔ ویسے بھی نفسیاتی طور پر مالیاتی معاملات میں باہر سے مسلط ہونے والا شخص مقامی لوگوں کیلئے پسندیدہ بھی نہیں ہوتا۔ آج کے دور میں جب مالیات کے معاملے میں صوبوں کے درمیان غلط فہمیوں سے بچنے کی ضرورت ہے، حضرت عمرؓ کی یہ حکمتِ عملی بہت مفید ہو سکتی ہے۔

امام ابو یوسف نے خلیفۂ وقت کو ہدایت دیتے ہوئے لکھا کہ: آپ جسے ذمہ دار بنائیں گے اُسے جائز حدود کے اندر اور حرام سے اجتناب کرتے ہوئے مالیہ وصول کرنے کا کام سپرد کر دیں گے، وہ اپنی صواب دید کے مطابق بعض حالات کو آپ کے سامنے پیش کرے گا اور بعض سے خود نبٹ لے گا، لہٰذا جو آدمی راست باز معتمد علیہ اور امانت دار نہ ہو اُس پر مالی امور کے سلسلہ میں بھروسہ نہیں کیا جانا چاہیے۔ امام صاحب فرماتے ہیں: میرا مشاہدہ ہے کہ لوگ خراج کے والیوں کا تقرر عمل میں لاتے وقت احتیاط سے نہیں کام لیتے۔ جو آدمی بھی ان میں سے کسی کی ڈیوڑھی پر چند دن پڑا رہے اُسے وہ مالیہ وصول کرنے کا کام دے کر مسلمانوں کے سر پر مسلّط کر دیتے ہیں۔ حالانکہ زیادہ امکان اسی کا ہے کہ وہ نہ تو اس شخص کے حسن کردار اور سلامت روی پر مطمئن ہے نہ اس

کے طور طریق اور دیگر معاملات کے سلسلہ میں اس کے بارے میں کوئی واقفیت رکھتا ہے۔ جس فرد کو بھی خراج کی تحصیل پر مامور کیا جائے اس کے تقرر میں خاصی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس کے مسلک اور اس کے طور طریق وغیرہ کے بارے میں پوری تحقیق کی جانی چاہیے۔ ان کے سلسلے میں ایسا کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ حاکموں اور قاضیوں کے تقرر ہیں (۲۴)۔

تعیناتی کے وقت عُمّال کو ہدایات:

نبی کریم ﷺ کا طریق کار یہ تھا کہ آپ مختلف علاقوں میں متعین کئے جانے والے عہدیداروں کو خصوصی ہدایات دیا کرتے تھے۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں عہد نبوی سے ملتی ہیں کہ آپ کسی عامل یا عہدہ دار کو کسی جگہ متعین فرماتے تو پیدل چل کر شہر کے باہر تک اس کے ساتھ جاتے، اس دوران اسے ہدایات دیتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں:

''مجھے رسول اللہ ﷺ نے یمن کی جانب متعین فرمایا۔ میں جب روانہ ہوا تو آپؐ نے مجھے واپس بلایا اور فرمایا کہ میں نے تمہیں صرف اس لئے بلایا ہے کہ میں تمہیں بتادوں کہ میری اجازت کے بغیر تم جو کچھ بھی لوگے وہ خیانت ہے اور ہر خائن اپنی خیانت کو لئے ہوئے قیامت کے دن آئے گا۔ بس میں نے تمہیں یہی بتلانا تھا، اب اپنے کام پر جا کر لگ جاؤ'' (۲۵)

ابوداؤد شریف میں ہے کہ ایک صحابی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے عامل بنا کر بھیجنا چاہا اور فرمایا ''ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں قیامت کے دن اس حال میں پاؤں کہ تمہاری پیٹھ پر اونٹ ہو جو آواز نکال رہا ہو جسے تم نے خیانت کے طور پر لیا ہوگا''۔ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ ''میں ایسا عہدہ نہیں لینا چاہتا'' آپؐ نے فرمایا: ''پھر میں بھی جبراً تمہیں نہیں بھیجتا'' (۲۶)۔

اسی طرح کی ایک روایت حضرت سعد بن عبادہؓ کے بارے میں بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''ایسا نہ ہو کہ تو بلبلاتے ہوئے اونٹ کو اٹھائے ہوئے آئے جسے تو نے خیانت میں لیا تھا۔ میں نے کہا: پھر تو میں اسطرح کا عہدہ لینے سے دست بردار ہوتا ہوں''۔ پھر آپؐ نے مجھے اس عہدہ پر متعین فرمانے پر اصرار نہیں فرمایا (۲۷)۔

اسی طرح کی ایک روایت حضرت عبادہؓ بن صامت کے بارے میں بھی ہے (۲۸)۔

حضرت عمرؓ جب اپنے عاملین کو منصب سنبھالنے کیلئے رخصت فرماتے تو انہیں نصیحت فرماتے میں کہ تمھیں جابر وقاہر بنا کر نہیں، امام و راہنما بنا کر بھیجتا ہوں مسلمانوں کو مار پیٹ کر انہیں ذلیل نہ کرنا، نہ ان کی تعریفیں کر کے انہیں آزمائش میں مبتلا کرنا۔ ان کے حقوق چھین کر ان پر ظلم نہ کرنا انہیں آزمائش میں مبتلا نہ کرنا۔ اور مسلمانوں کی سہولت و خوش حالی کیلئے ہر طرح کا اہتمام کرتے رہنا (۲۹)۔

حضرت عمرؓ نے عوام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"خدا کی قسم میں اپنے افسروں کو تمھارے پاس اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمھارے منہ پر چپت ماریں یا تمھارے مال چھین لیں۔ میں انہیں تمھارے پاس اس لئے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں تمھارا دین اور تمہارے نبی کی سنت سکھائیں" (۳۰)

عامل مقرر ہونے والے شخص کیلئے ایک فرمان جاری ہوتا تھا۔ جس میں اس کی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ بہت سے مہاجرین اور انصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی، عامل جس مقام پر جاتا تھا۔ تمام لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمان پڑھا جاتا تھا جس کی وجہ سے لوگ اس کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے اور جب وہ ان اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا تو لوگوں کو اس پر گرفت کا موقع ملتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ عاملوں کے جو فرائض ہیں ایک ایک ان سے واقف ہو جائے۔ چنانچہ بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعوں پر اس کے متعلق خطبے دیئے۔ ایک خطبہ میں جو مجمع عام میں دیا تھا عاملوں کو مخاطب کر کے یہ الفاظ فرمائے:

"الا وانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین ولکن بعثتکم ائمته الھدی یھتدی بکم فادوا علی المسلمین حقوقھم ولا تضر بوھم فتذلوھم ولا تحمدوھم فتفتنوھم ولا تخلقوا الابواب دونھم فیاکل قویھم صغیغھم ولا تستائروا علیھم فتظلموھم" (۳۱)

"یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے، بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے تاکہ لوگ تمہاری تقلید کریں تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو، ان کو زدوکوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہوں، ان کی بے جا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں، ان کے لیے اپنے دروازے بند نہ رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں ان سے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہے۔"

جب کوئی شخص کسی جگہ کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمرؓ ایک گروہ کے سامنے اس کو فرمان تقرری عنایت کرتے تھے اور ان صحابہؓ کو گواہ مقرر کرتے تھے۔ جس کا یہ مقصد تھا کہ جس شخص کو مقرر کیا گیا ہے، اس کے فرائض کا اعلان ہو جائے۔

اس طرح حضرت عمرؓ عمال کے فرائض اور لوگوں کو ان کے حقوق سے آگاہ فرما دیتے ہیں اس سے لوگوں میں اپنے حقوق کے حصول کا شعور پیدا ہوتا اور وہ حقوق سے آگاہ ہو جاتے۔ اپنے حقوق کا شعور پیدا کرنے کے حوالے سے یہ پالیسی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ اس سے اسلام کے جمہوری مزاج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

محاصل کی وصولی کے اصول:

مالیات و محاصل کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ نے باقاعدہ اصول و ضوابط رائج فرمائے۔ ان قواعد سے افسرانِ مالیات کو باقاعدہ آگاہ کیا جاتا تھا اور ان پر بڑی سختی سے عمل کروایا جاتا۔ باقاعدہ طور پر ان ہدایات پر عمل درآمد کی نگرانی کی جاتی تھی۔ اس

طرح کی ہدایات میں یہ باتیں شامل ہوتی تھیں کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے خود چل کر زکوٰۃ دینے والے کے پاس جائیں (۳۲)۔
ان تمام باتوں کا فائدہ یہ ہوگا کہ سرکاری ملازم خود زکوٰۃ کے قابلِ مال کو دیکھ سکے گا اور کسی بھی طرح کی بدعنوانی مثلاً زکوٰۃ کا مال چھپانے کی بنیاد ختم ہوجائے گی۔ علامہ جصاص لکھتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے وفد ثقیف کے ساتھ یہ شرط عائد کی تھی **لا یحشروا ولا یعشروا** یعنی انہیں اپنے مویشی زکوٰۃ وصول کرنے والے کے سامنے پیش کرنے کی تکلیف نہیں دی جائے گی بلکہ محصل خود ان کے مقام پر جا کر حساب کر کے زکوٰۃ وصول کرے گا۔ پھلوں کی زکوٰۃ بھی اسی طرح وصول کی جاتی تھی (۳۳)۔ امام ابوعبید القاسم نے کتاب الاموال میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ''**الجمع بین المتفرق، والتفریق بین المجتمع، وتراجع (الخلیطین فی صدقة المواشی)**'' ہے۔ اس باب میں ہے کہ سوید بن غفلہ کہتے ہیں ہمارے پاس رسول ﷺ کا محصل صدقہ لینے آیا تو میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''کوئی دودھ پیتا بچہ نہ لوں، نہ جدا جدا جانوروں کو یکجا کروں نہ یکجا جانوروں کو جدا کروں'' (۳۴)

بخاری میں اس سلسلے میں باب قائم کیا گیا جس کا عنوان ہے باب'' **لا یجمع بین مفترق ولا یفرق بین مجمع** ''اس میں بیان کیا گیا ہے کہ نہ تو مختلف جگہوں پر موجود جانوروں کو یکجا کیا جائے اور نہ ہی ایک جگہ موجود جانوروں کو متفرق جگہوں پر بکھیرا جائے۔ پہلی صورت مختلف یعنی جگہوں پر موجود جانوروں کو یکجا کرنے کا نقصان صاحب مال کو ہوگا کہ متفرق جگہوں پر ہونے کی صورت میں اس پر کم زکوٰۃ عائد ہوگی۔ اس سے سرکاری خزانے کو بھی نقصان ہوگا اور صاحب مال کی زکوٰۃ مکمل طور پر ادا نہیں ہو پائے گی اسی طرح بخاری میں یہ باب بھی قائم کیا گیا ہے **ما کان من خلیطین فالھمایتراجعان بینھمابا لسویة** (۳۵)۔

اسی طرح بخاری میں یہ باب بھی ہے **لا توء خذ کرائم اموال الناس فی الصدقة** (۳۶)۔

ابوداؤد میں روایت ہے سوید بن غفلہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والا ہمارے پاس آیا اس کے پاس ایک کتاب تھی اس میں لکھا تھا زکوٰۃ ادا کرنے کے خوف سے نہ تو علیحدہ علیحدہ مال جمع کیا جائے نہ مال کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والا اس وقت آتا تھا کہ جب جانور پانی کے گھاٹ پر اکٹھے ہوتے تھے اور تا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو جگہ جگہ جا کر جانوروں کی گنتی نہ کرنی پڑے۔

اسی طرح یہ ہدایت بھی تھی کہ زکوٰۃ میں چھانٹی کا مال نہ لیا جائے نہ ہی گھٹیا مال وصول کیا جائے۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ اللہ کی رضا کی خاطر خوشی سے زکوٰۃ ادا کرنے اور اچھا مال زکوٰۃ میں ادا کرنے کا شوق اس قدر ہو گیا تھا کہ زکوٰۃ ادا کرنے والے خود خواہش کرتے کہ وہ بہترین اونٹ کو زکوٰۃ میں دیں گے۔ لیکن محصل نے یہ اونٹ وصول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر

صاحبِ مال نے اس سے کم درجہ کا اونٹ پیش کیا لیکن اس نے یہ بھی لینے سے انکار کر دیا۔ محصل نے کہا کہ میں نے یہ اونٹ اس لئے نہیں لیا کہ کہیں رسول ﷺ اس بات پر ناراضگی کا اظہار نہ فرمائیں کہ تو نے اس سے بہترین اونٹ وصول کیوں کیا؟(۳۷) زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو ہدایت کے حوالے سے ابوداؤد شریف سے روایت ہے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا تین کام ہیں جو شخص انہیں اختیار کرے گا ایمان کی لذت محسوس کرے گا، ۱۔ اخلاص کے ساتھ عبادت کرے ۲۔ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرے ۳۔ بخوشی ہر سال مال کی زکوٰۃ ادا کرے اور درمیانے درجے کے جانور زکوٰۃ میں دے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم سے تمہارا اعلیٰ قسم کا مال طلب نہیں کیا نہ ہی یہ حکم دیا ہے کہ خراب اور ردّی قسم کا مال اس کی راہ میں دو(۳۸)۔

ابوداؤد میں ہی ایک اور روایت ہے راوی کہتے ہیں کہ میں زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے ایک ضعیف العمر شخص کے پاس گیا۔ زکوٰۃ ادا کرنے والے نے پوچھا کہ تم کس طرح کا جانور زکوٰۃ میں وصول کرو گے اس نے کہا کہ ہم دیکھ بھال کر اعلیٰ جانور وصول کریں گے۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ نبی ﷺ کے زمانے میں ہمارے پاس زکوٰۃ وصول کرنے والا آیا تھا۔ میں نے اسے ایک مضبوط اور صحت مند بکری دینا چاہی، لیکن محصل نے یہ بکری لینے سے انکار کر دیا، اور اس سے کم معیار کی بکری وصول کی(۳۹) ابوداؤد میں ہی حضرت ابی ابن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا، اس پر ایک سال کی اونٹنی واجب ہو رہی تھی۔ دینے والے نے کہا کہ ایک سال کی اونٹنی سے کیا فائدہ ہوگا وہ تو نہ دودھ دیتی ہے نہ اس پر سواری کی جاسکتی ہے۔ ایک نوجوان موٹی تازی اونٹنی لے لو۔ محصل نے کہا کہ میں وہ چیز ہرگز وصول نہ کروں گا جسے لینے کا مجھے حکم نہیں ہے۔ محصل نے کہا اگر تم یہی صحت مند اونٹنی دینا چاہتے ہو تو حضور ﷺ سے بات کر لو۔ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا تم پر واجب تو یہی بنت مخاض ہے لیکن اگر تم اللہ کی رضا کی خاطر صحت مند جانور دینے کو تیار ہو تو اس کا اجر اللہ تمہیں دے گا۔ وہ مضبوط بکری وصول کر لی گئی اور رسول ﷺ نے اس شخص کے لئے برکت کی دعا فرمائی(۴۰)۔

زکوٰۃ وصول کرنے والے لوگوں کو بہترین مال وصول کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے اور ادنیٰ اور گھٹیا مال سے بھی۔ بلکہ اس کے درمیان اعتدال اور نرمی کی پالیسی اختیار کرنے کا حکم ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک عامل کو مدینہ میں دیکھا تو اسے کہا کہ کیا تمھیں پسند نہیں کہ تم ایسے کام میں لگے رہو جو جہاد سے بھی افضل ہے تو عامل نے جواب دیا مجھے یہ خدمت اچھی کس طرح لگ سکتی ہے جب کہ لوگوں کا خیال ہے کہ میں ان پر ظلم کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ لوگ اس طرح کیوں کہتے ہیں؟۔ انہوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ میں ان سے ان کی بھیڑ بکریوں کے بچوں سے بھی زکوٰۃ وصول کرتا ہوں۔ آپؓ نے فرمایا کہ تم ٹھیک کرتے ہو۔ اگر بچہ اتنا چھوٹا ہو کہ چرواہا اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر لائے تو بھی اسے زکوٰۃ کا حساب لگانے میں شمار کرو۔ (اور ان لوگوں کے ذہن سے ان پر ظلم کئے جانے کے تاثر کو ختم کرنے کے لئے) ان سے کہہ دو کہ تم گھروں میں پالی ہوئی گھریلو بھیڑ بکری، کھانے کے قابل راس نر بھیڑ بکری اور بچہ جننے کے قریب بھیڑوں اور بکریوں کو انہی کیلئے چھوڑ دیتے ہو(۴۱)۔

زکوٰۃ کی وصولی میں نرمی کا حکم:

امام ابو یوسف نے زکوٰۃ کی وصولی میں نرمی سے متعلق دو روایات بیان کی ہیں۔ایک روایت یوں ہے کہ قبیلہ اشجع کی طرف محمد بن مسلمہ کو زکوٰۃ جمع کرنے کیلئے بھیجا۔وہ بیٹھ جاتے اور قبیلہ کے لوگ ان کے پاس بھیڑ بکریاں (گنتی کیلئے) لاتے تاکہ وہ گنتی کر کے زکوٰۃ کا حساب لگا سکیں۔اگر انہیں ان کا اپنا حق (یعنی زکوٰۃ) پورا ہوتا ہوا نظر آتا تو انہیں قبول کرتے جاتے (۴۲)۔

امام ابو یوسف لکھتے ہیں: ''کہ حضرت عمرؓ کے سامنے سے دودھ دینے والی صدقہ کی بکری گزری آپؓ نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ صدقہ کی بکری ہے۔اس پر آپؓ نے فرمایا اس کے مالک نے یہ بکری خوشی سے نہیں دی ہوگی؟ تم لوگ عوام کی کوئی چیز زبردستی نہ لیا کرو، اور صدقہ میں ان کے حزرات یعنی بہترین مال نہ لیا کرو'' (۴۳) زکوٰۃ کے واجب ہونے کے بعد ابتدائی دور میں خصوصی طور پر نرمی اختیار کرنے کا حکم تھا۔اس دور میں رسول اللہ نے ایک محصل کو روانہ کرتے ہوئے فرمایا:

> ''صدقہ میں ضعیف العمر اونٹ اور اونٹنی، ایک سالہ اونٹ اور عیب دار راسیں بھی وصول کر لینا۔لوگوں کے بہترین اموال میں سے بالکل نہ لینا'' (۴۴)

نبی اکرم ﷺ کی دی گئی ہدایات میں تھا کہ نسل کشی والا نر زکوٰۃ میں وصول نہ کیا جائے۔ان روایات سے یہ اصول وضع کیا جاسکتا ہے کہ محاصل کی وصولی میں اعتدال و نرمی کا رویہ اختیار کیا جائے۔اعتدال و نرمی سے متعلق یہ اصول وضوابط حدیث کی ہر کتاب میں موجود ہیں۔لوگوں میں مال کی محبت ہوتی ہے وہ کچھ دینے میں پس و پیش کرتے ہیں۔زکوٰۃ دینے والوں کو مائل کیا گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت تنگی محسوس نہ کیا کریں اور خوش دلی سے زکوٰۃ ادا کر دیا کریں۔عاملین درحقیقت ان کے ایک دینی فریضہ کی ادائیگی میں معاونت کیلئے آتے ہیں اس لئے ان کے ساتھ تعاون کریں اور اخلاق سے پیش آیا کریں۔اس حدیث میں یہ نہیں کہا گیا کہ وہ عاملین کے ناجائز مطالبات پورا کر کے انہیں راضی کیا کریں۔ مثلاً مسلم، **کتاب الزکوٰۃ، باب ارضاء الساعی مالم یطلب حراماً** اور **باب ارضاء السعایۃ**۔امام ابو عبید نے کتاب الاموال میں اسی سلسلے میں ایک باب **مایستحب لارباب لماشیۃ ان یفعلوہ عنداتیان المصدق ایاھم** قائم کیا ہے۔

اس طرح کی روایات امام ابو یوسف نے بیان کی ہیں کہ زکوٰۃ کی وصولی کے وقت چھوٹ اور رعایت اس لئے دی گئی کہ لوگ زکوٰۃ بوجھ نہ سمجھیں۔اگر ان کے بہترین مال وصول کرنے لگیں گے تو وہ زکوٰۃ کو بوجھ سمجھتے ہوئے دین سے ہی برگشتہ و بدگمان ہو جائیں گے۔ایک طرف نرمی برتی گئی ہے تو دوسری طرف انہیں زکوٰۃ ادا کرنے کے نتیجے میں اللہ کی رضا کے حصول کی بشارت بھی دی جاتی۔چنانچہ لوگ جلد ہی اس حکمت عملی کے نتیجے میں بہترین مال اپنی خوشی سے دینے کیلئے آمادہ ہو گئے۔اسی طرح زکوٰۃ دینے والوں کو بھی ہدایات جاری کی جاتی تھیں۔زکوٰۃ لینے اور دینے والے سبھی شرعی اصولوں سے آگاہ کر دیئے گئے تھے اور

یوں زکوٰۃ دینے والوں کی لاعلمی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے استحصال کی راہیں بند کردی گئیں (۴۵)۔ زکوٰۃ عائد کرنے کا نصاب اور دیگر مسائل بالکل واضح اور شریعت کے احکام تھے۔ اس لئے زکوٰۃ کی رقم کے تعین (Fixation) کے بارے میں بھی کسی ایک فریق کے دھوکہ کھانے اور دوسرے کو دھوکا دینے کی گنجائش اور امکان موجود نہ تھا۔ اس طرح مالیات کے بارے میں کسی بدعنوانی کے آغاز کا امکان خود بخود ہی ختم ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی تربیت نے ہر شخص کو اتنی جرأت عطا کر دی تھی کہ اگر کوئی کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرتا تو وہ خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ اہل کار کی ہر کاروائی پر اس سے سوال کر سکتا تھا اور عدالت نبوی ﷺ تک رسائی کر سکتا تھا۔ اس ماحول میں کسی طرح کی بدعنوانی ممکن نہ تھی۔ اس دور میں لوگوں کو مکمل طور پر باخبر رکھا جاتا تھا کہ ان کے حقوق کیا ہیں اور عمال کے فرائض کیا ہیں۔ اس میں ہمارے لئے بھی اصول موجود ہیں کہ لوگوں کو ٹیکس کے اصولوں سے ذرائع ابلاغ کے ذریعے آگاہ کیا جائے۔ ٹیکس قوانین آسان بنائے جائیں۔ دادرسی آسان ہو۔

زکوٰۃ ادا کرنے والوں کیلئے دعا:

نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ لوگوں سے صدقات وصول کریں اور صدقات وصول کرتے وقت ان کی دل جوئی کریں۔ گویا یہ حکم دیا گیا کہ ان لوگوں کے ساتھ نہ صرف تحکمانہ لہجہ اور تشدد کا انداز اختیار نہ کیا جائے بلکہ ان کی دلجوئی کرتے ہوئے ان کیلئے دعا کی جائے۔ سورۃ التوبۃ کی آیت نمبر ۱۰۳ میں فرمایا:

﴿ خُذۡ مِنۡ اَمۡوَ الِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُ هُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ﴾

''ان کے اموال پر ان سے زکوٰۃ وصول کریں اور ان کے دلوں اور مالوں کو پاک کر دیں اور ان کیلئے دعا کیجئے''

اسی حکم کی تعمیل میں نبی کریم ﷺ کا طرز عمل یہ تھا کہ عبداللہ ابن ابی اوفیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ كان النبی ﷺ اِذَا اَتَاهُ قَوۡمٌ بِصَدَ قَتِهِمۡ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ فُلَانٍ فَاَتَاهُ اَبِیۡ بِصَدَ قَةٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِیۡ اَوۡفٰی'' (۴۶) ''جب کچھ لوگ آپ ﷺ کے پاس اپنے صدقات لے کر آتے تو آپ ﷺ فرماتے ''اے اللہ فلاں شخص کی آل پر سلامتی عطاء فرما''۔ میرے والد صدقہ لے کر آئے تو آپ ﷺ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا: ''اے اللہ تو آل ابی اوفیٰ پر رحمت نازل فرما''۔ انہی الفاظ سے یہ روایت مسلم شریف میں بھی ہے (۴۷) علامہ نووی کی شرح مسلم میں ہے کہ مشہور علماء کا یہی نقطہ نگاہ ہے کہ اس طرح کی دعا زکوٰۃ ادا کرنے والے کیلئے کرنا مستحب ہے۔ اہل ظاہر کا خیال ہے کہ دعا دینا واجب ہے۔ شافعیہ کا نقطہ نگاہ بھی یہی ہے۔ جمہور کا خیال ہے کہ دعا دینا مستحب ہے۔ اگر ایسا کرنا واجب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ حضرت معاذ ابن جبلؓ کو یمن کیلئے رخصت کرتے وقت لوگوں کو اس طرح کی دعا دینے کی تلقین فرماتے جبکہ آپ ﷺ نے اس موقع پر ایسی کوئی تلقین نہیں فرمائی تھی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ دعا دینے

کا علم حضرت معاذؓ کو پہلے ہی تھا اس لئے رسول اللہؐ نے ایسی تلقین کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ امام شافعی نے تو کہا ہے کہ دعا کے الفاظ یوں ہوں ''اجرک اللہ فیما اعطیت وجعلک طهوراً وبارک لک فیما ابقیت'' (۴۸) جو کچھ تو نے زکوٰۃ کی صورت میں دیا ہے اللہ اس کا تجھے اجر عطا کرے اور تجھے (گناہوں اور مال کی محبت سے) پاک کردے جو کچھ تو پیچھے چھوڑ آیا ہے اس میں اللہ تجھے برکت دے)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جب تم زکوٰۃ ادا کرو تم اس کے ثواب کو فراموش نہ کرو۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس کا ثواب کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ زکوٰۃ دیتے وقت یہ دعا کرے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا مَغْنَمًا وَّلَا تَجْعَلْھَا مَغْرَماً (۴۹) ''اے اللہ اس زکوٰۃ کو غنیمت بنادے اسے جرمانہ نہ بنا۔''

جصاص لکھتے ہیں سورۃ التوبہ کی آیت جس میں فرمایا گیا ہے کہ نبی کریمؐ لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتے وقت ان کیلئے دعا کریں یہ دعا ان لوگوں کیلئے تسکین کا باعث ہوگی ﴿اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ﴾ میں سکن لھم سے مراد وہ امر ہے جو ان کیلئے وجہ تسکین ہے اور جس کی بنا پر ان کے دلوں میں فرحت اور خوشی پیدا ہو جائے اور اس کے نتیجے میں وہ اللہ سے ثواب حاصل کرنے کی رغبت اور حضورؐ کی دعا کی برکت کے حصول کی خاطر صدقات واجبہ کی ادائیگی میں جلدی کریں گے پس وپیش لیت ولعل، بہانہ سازی ، ٹال مٹول اور سستی کرتے ہوئے اس سے بچنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ صدقات وصول کرنے والوں کو بھی یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے کہ صدقہ وصول کرنے کے بعد قرآن اور سنت کی پیروی میں صدقہ دینے والے کیلئے دعائے خیر کریں (۵۰)۔ آج کے دور میں بھی اس سلسلے میں ترغیبات دی جاسکتی ہیں۔ مثلاً بر وقت ٹیکس ادا کرنے والوں کیلئے بونس یا انعام رکھا جائے مسلسل کچھ برس تک ٹیکس ادا کرنے والوں کو خصوصی رعایت دے دی جائے۔

عمّال کو ہدایاء قبول کرنے کی ممانعت:

آپؐ نے یہ سنہرا اصول دیا کہ مالیاتی عہدوں پر فائز لوگوں کے طرز عمل پر خصوصی نگاہ رکھی جائے اور انہیں اس بات کی ہرگز اجازت نہ دی جائے کہ وہ اپنی تنخواہ کے علاوہ رعایا سے کسی قسم کا ہدیہ قبول کریں۔ کیونکہ یہ بدعنوانی کا دروازہ ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کے متعدد فرامین موجود ہیں کہ آپؐ نے عمال حکومت کے لئے حرام قرار دیا کہ وہ کوئی ہدیہ قبول کریں کتبِ حدیث میں اس باب کا نام ''باب هَدَايَا لُعُمّال'' ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ اَزْد کے ایک شخص ''ابن اللتبیة'' کو صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ جب وہ لوٹ کر آیا تو کہنے لگا کہ یہ مال آپ کا ہے اور یہ مال مجھے تحفے میں ملا ہے۔ یہ بات سن کر آپؐ جلال میں آگئے اور منبر پر تشریف فرما ہو کر اللہ کی تعریف بیان کرنے کے بعد فرمایا:

''اس تحصیلدار کا کیا حال ہے جسے میں (صدقات کی وصولی کے لئے) متعین کرتا ہوں پھر وہ کہتا ہے کہ یہ مال تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں ملا ہے۔ وہ اپنے باپ یا ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا پھر دیکھتے کہ اسے کوئی ہدیہ ملتا ہے یا نہیں۔ (یعنی اگر اس وقت بھی جب سرکاری کام نہ ہو کوئی ہدیہ دیا کرتا ہو تو اس کا ہدیہ کام کے بعد بھی درست ہے ورنہ ظاہر ہے کہ دینے والے نے یہ ہدیہ دباؤ سے دیا ہو گا یا کسی اور ناجائز غرض کی خاطر دیا ہو گا) آپؐ نے فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کوئی تم میں سے ایسا مال (ہدیے کے طور پر) نہ لے گا مگر قیامت کے دن اپنی گردن پر لاد کر اسے لائے گا۔ اس طرح حاصل کیا ہوا اگر اونٹ ہو گا تو وہ بڑ بڑا رہا ہو گا۔ گائے ہو گی تو چلا رہی ہو گی۔ بکری ہو گی تو ممیا رہی ہو گی۔ پھر آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ آپؐ کی بغلوں کی سفیدی ہمیں نظر آنے لگی اور فرمایا: ''یا اللہ! میں نے تیرا حکم لوگوں تک پہنچا دیا'' (۵۱)

اس روایت میں حضور ﷺ کے جلال کی شدت سے اندازہ کرنا چاہیے کہ مالی بدعنوانی آپؐ کے نزدیک کس قدر گھناؤنا جرم ہے۔ روایت کے اندر اس بات کی تفصیل موجود ہے کہ عامل نے خود آکر اس مال کی نشاندہی کر دی تھی اور نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش فرما دیا تھا کہ یہ مال مجھے ملا ہے اور یہ مال سرکاری خزانے کا ہے۔ اس سے ان کی بدنیتی کی بجائے نیک نیتی ظاہر ہو رہی ہے۔ کیونکہ اگر ان کی نیت میں کوئی خرابی ہوتی اور وہ ہدایا چھپانا چاہتے ہوتے تو اس مال کا ذکر قطعاً نہ کرتے جو انہیں ذاتی حیثیت میں ملا تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ لوگوں کو صحابہ کرامؓ سے عقیدت تھی اور وہ اسی بنا پر انہیں ہدایا اور تحائف دینا باعث ثواب سمجھتے تھے۔ یہ تحائف دینے والوں نے بھی اسی نیت سے دیئے تھے اور لینے والے کی نیت بھی صاف تھی۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے نیت کے مسئلے سے قطع نظر آئندہ کیلئے کسی طرح کی بدعنوانی کے انسداد کے لئے ہر سوراخ کو بند فرما دیا (۵۲)۔

ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں والیان حکومت میں سے ہر ایک اس آزمائش میں پڑا ہوا ہے کہ کون ہدیہ وغیرہ قبول کرنے سے اجتناب کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔ اگر وہ اس سے باز نہ آئیں تو وہ ظلم کے مرتکب ہوئے۔ اللہ نے حکام پر واجب کر دیا ہے کہ وہ لوگوں کی حاجات پوری کریں۔ اگر وہ ان کی ضروریات کی تکمیل نہیں کرتے بلکہ الٹا ان سے ہدیے اور نذرانے قبول کرنے لگتے ہیں تو یہ لوگ آخرت کے بدلے دنیا کے خریدار بن جائیں گے (۵۳)۔

ابوداؤد شریف میں مالیات کی وصولی پر مامور عہدہ داروں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان منقول ہے کہ

''مَنِ اسْتَعْمَلْنَا هُ عَلیٰ عَمَلٍ فَرَزَقْنَا هُ رِزْقًا فَمَا اَخَذَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَهُوَ غُلُوْلٌ'' (۵۴)

''ہم نے جسے کسی جگہ کا عامل مقرر کیا اور اس کے کام کا معاوضہ بھی مقرر کر دیا اگر وہ اس معاوضے سے زائد حاصل کرتا ہے تو یہ ناجائز آمدنی ہے''

مسند احمد میں بھی ایسی روایت موجود ہے کہ عاملین محاصل کو جو تحائف ملیں، وہ خیانت میں شامل ہیں (۵۵)۔

عہد فاروقی میں ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ یہ شرطیں اکثر پروانہ تقرری میں درج کی جاتی تھیں اوران کو مجمع عام میں پڑھ کرسنایا جاتا تھا (۵۶)۔

عہد فاروقی میں جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھااس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تھا۔ اس کی مفصل فہرست تیار کرا کر محفوظ رکھی جاتی تھی اوراگر عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی اضافہ ہوتا تواس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے، خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعے حضرت عمرؓ کواس کی اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے سب کی جائیداد کا جائزہ لے کر آدھا آدھا مال واپس لیا اور بیت المال میں داخل کر دیا (۵۷)۔

خیانت پر وعید:

اس سلسلے میں قرآن میں ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ﴾ (۵۸)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ اوراس کے رسولؐ کے ساتھ خیانت مت کرواورنہ جانتے بوجھتے آپس کی امانتوں میں خیانت کرو۔''

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ (۵۹) ''اورآپ بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ ہوں''

ایک اور مقام پرفرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ﴾ (۶۰) ''بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''

نبی کریم ﷺ نے ان آیات کا صحیح مفہوم اپنے اسوہ حسنہ کے ساتھ پیش فرمایا۔ آپ جن باتوں سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک خیانت ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے: ''اے اللہ مجھے خیانت سے بچائے رکھنا کہ یہ بہت برا اندرونی ساتھی ہے'' (۶۱)۔

حضرت عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں میں نے رسول ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جسے ہم عامل مقرر کریں اسے چاہیے کہ چھوٹی بڑی ہر چیز کا یکساں لحاظ رکھے۔ کیونکہ جو آدمی ایک دھاگا یا اس کے علاوہ کوئی چیز بھی خیانت کے طور پر لے گا وہ غلول کا مرتکب ہوگا اور قیامت کے دن اس چیز کو اپنے ساتھ لئے ہوئے سامنے آئے گا (۶۲)۔ رسول ﷺ نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کو صدقہ وصول کرنے کیلئے متعین فرمایا اور انہیں ہدایت کی: ''ابو ولید! اللہ سے ڈرتے رہنا اور قیامت کے دن اس حالت میں نہ آنا کہ اپنے

کندھوں پر ایک اونٹ اٹھائے ہوئے ہو جو بلبلا رہا ہو، ایک گائے جو آوازیں نکال رہی ہو یا ایک بکری کو جو ممیا رہی ہو۔ انہوں نے کہا! اللہ کے رسول کیا یہ ذمہ داری اتنی کٹھن ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے۔ یہ ذمہ داری ایسی ہی ہے سوائے اس شخص کے جس پر اللہ رحم فرمائے۔

انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں آئندہ کبھی دو افراد میں بھی امیر بننا قبول نہیں کروں گا (۶۳)۔

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں۔ ''میں نے رسول ﷺ سے دو باتیں سنی ہیں: ایک کو تو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا: امانت داری لوگوں کے دلوں کی جڑ میں اتری ہے۔ یعنی یہ ان کی فطرت میں داخل ہے پھر انہوں نے اس فطری استعداد میں قرآن اور حدیث کے علم کے ذریعے اضافہ کیا۔''

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ ''پھر نبی کریمؐ نے امانت کے اٹھ جانے کا حال بیان فرمایا''۔ آپؐ نے فرمایا: ''پھر یہ حال ہوگا کہ آدمی سوئے گا تو امانت اس کے دل سے نکال لی جائے گی اور اس کا ہلکا سا نشان اس کے دل میں باقی رہ جائے گا۔ پھر سوئے گا تو امانت چلی جائے گی اور ایک آبلہ کی طرح کا داغ اس کے اوپر رہ جائے گا۔ جو اُٹھا ہوا تو ہوتا ہے مگر اندر سے خالی ہوتا ہے۔ لوگ ایسے ہو جائیں گے کہ لین دین کریں گے لیکن کوئی ایمانداری سے کام نہیں لے گا۔ اس وقت امانتداری کی مثال ایسے ہو جائے گی کہ لوگ مثال کے طور پر کہیں گے کہ فلاں قوم میں ایک امانتدار شخص ہے۔ آدمی کی تعریف کی جائے گی کہ کیسا عقل مند، خوش مزاج اور بہادر شخص ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمانداری نہیں ہوگی'' (۶۴)۔

آپ نے فرمایا: ''سب سے اچھا میرا زمانہ ہے، پھر وہ زمانہ جو اس کے بعد آئے گا، پھر اسکے بعد آنے والا زمانہ۔ اس کے بعد ایسا زمانہ آئے گا جب لوگ بن بلائے گواہی دیں گے۔ خیانت کریں گے۔ امانتداری نہیں کریں گے۔ نذر مانیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے'' (۶۵)۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا: ''اللہ کے نزدیک سب سے سعادت مند نگران وہ ہے جس کے ہاتھوں سے اس کی رعایا کو سعادت نصیب ہو اور سب سے بد بخت نگران وہ ہے جس کے ہاتھوں اس کی رعایا تباہ ہو جائے۔ دیکھو تم راہ راست سے نہ ہٹنا۔ کیونکہ اس کے نتیجے میں تمھارے عمال بھی بگڑ جائیں گے۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ کے حضور تمھارا حال اس جانور جیسا ہو جائے گا جس نے زمین پر کچھ سبزہ دیکھا تو اس میں چرنے لگا تا کہ موٹا ہو جائے۔ حالانکہ اس موٹاپے میں اس کی موت مضمر ہے یعنی خیانت کے مال کھانے کا نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے'' (۶۶)۔ حضرت عمرؓ کی حکمت عملی یہ تھی کہ خود بھی بیت المال کے بارے میں محتاط تھے اور اپنے عمال کو بھی ایسا ہی حکم دیتے اور ان کے طرز عمل کی سختی سے نگرانی کرتے (۶۷)۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''لوگو! مجھ پر تمھارے سلسلے میں کچھ ذمہ داریاں ہیں جنہیں میں تمھارے سامنے گنواتا ہوں تمھیں

چاہیے کہ ان کے بارے میں میرا احتساب کرتے رہو۔ میری ذمہ داری ہے کہ تمھارے خراج اور فئے کی رقمیں ان کے مقررہ طریقوں سے ہی وصول کروں اور یہ کہ جب یہ اموال میرے ہاتھ آجائیں تو انہیں ان کے صحیح مصارف پر خرچ کروں" (۶۸)۔

مسند احمد میں ہی روایت ہے کہ "ایک روز نبی کریم ﷺ جنت البقیع کے قبرستان میں سے گزر رہے تھے کہ ایک قبر والے کے بارے میں فرمایا کہ "تم پر افسوس ہے" پھر اس کی وضاحت فرمائی کہ اس قبر والے کو ایک مرتبہ عامل مقرر کیا گیا تھا، اس نے اس میں سے ایک چادر خیانت کے طور پر لے لی۔ اب وہ چادر اس کے اوپر آگ بن کر بھڑک رہی ہے"۔ یہ روایت بخاری شریف میں بھی موجود ہے (۶۹) مستورد بن شداد سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپؐ فرمارہے تھے:

"من كان لنا عاملا فليكتسب زوجة فان لم يكن خادم فليكتسب خادما فان لم يكن له مسكن فليكتسب مسكنا، قال: قال أبوبكر أخبرت أن النبى ﷺ قال من اتخذ غير ذلك فهو غال أوسارق" (۷۰)

"جسے ہم عامل مقرر کریں، اسے چاہئے کہ ایک بیوی رکھ لے۔ اگر اس کے پاس کوئی خدمتگار نہ ہو تو ایک خدمتگار رکھ لے۔ اگر اس کے پاس رہائش گاہ نہ ہو تو ایک رہائش گاہ رکھ لے۔ مستورد کہتے ہیں کہ ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ اگر کسی عامل نے اس سے زائد حاصل کیا تو وہ خائن ہے یا چور ہے" (۷۱)

مسند احمد کی ایک روایت میں سواری کا بھی ذکر ہے کہ اگر سواری نہ ہو تو سواری بھی لے لیں (۷۲)۔

اس طرح عدی بن عمیرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"من استعملناه منكم على فكتمنا مخيطا فما فوقه كان غلولا يأتى يوم القيامة قال فقام اليه رجل أسود من الأنصار كأنى أنظر اليه فقال يارسول الله ﷺ أقبل عنى عملك قال وما لک قال سمعتک تقول كذا وكذا قال وأنا أقوله الآن: من استعملناه منكم على عمل فيجئ بقليل وكثيره فما أوتى منه أخذ وما نهى عنه انتهى" (۷۳)

"اگر ہم کسی کو کسی کام کے لئے متعین کریں پھر وہ اس میں سے ایک سوئی یا اس سے زیادہ چھپا رکھے تو وہ غلول (خیانت) ہے۔ اسے وہ قیامت کے دن لے کر آئے گا۔ یہ سن کر سانولے رنگ کا ایک انصاری شخص کھڑا ہوا کہ گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ اس نے کہا: یارسول اللہ ﷺ آپؐ نے جو کام مجھے سونپا ہے، آپؐ مجھ سے واپس لے لیجئے۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تمھیں کیا ہوا ہے؟ (کہ یہ کام واپس کر رہے ہو) اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے آپؐ ایسے فرمارہے ہیں: آپؐ نے فرمایا کہ میں تو اب بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ جسے ہم کسی کام کے لئے متعین کریں، اسے جو کچھ ملے وہ تھوڑا ہو یا زیادہ سب کچھ لے کر (بیت المال) میں

آئے۔ پھر اسے اس کام کے معاوضے کے طور پر جو کچھ ملے وہ لے لے اور جو نہ ملے اس سے باز رہے''

ابوھریرہؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ کا ارشاد ہے: ''ثـلاثة انـا خـصـمُهُم يَوْمَ الْقِيامَةِ رَجُلُ اُعْطِيَ بِیْ ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلُ بَاعَ حُرّاً فَاَكَلَ ثَمَنَهُ وَرَجُلُ اسْتَاْجَرَ اَجِيراً فاسْتَوْفیٰ مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ اَجْرَهُ'' (۷۴)

''ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ کا ارشاد ہے کہ تین بندے ایسے ہیں جن کے خلاف میں قیامت میں جھگڑوں گا ایک وہ شخص ہے جسے کوئی منصب دیا گیا اور اس نے خیانت کی دوسرا وہ شخص جس نے آزاد شخص کو فروخت کر کے اس کی قیمت کے پیسے کھالئے تیسرا وہ شخص جس نے کسی کو ملازم رکھا اس سے کام پورا لیا لیکن اس کا معاوضہ نہ دیا''

ترمذی شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الامارۃ میں باب تحریم الغلول کے اندر حدیث نمبر ۴۷۳۴ سے ۴۷۳۶ تک چار احادیث بیان کی ہیں کتب تفسیر میں بھی خیانت سے متعلق احادیث و روایات یکجا کر دی گئی ہیں (۷۵)۔

ابن تیمیہ فرماتے ہیں ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ اپنے اوپر اللہ کا مال خرچ کر کے اپنی روزی فراخ کر لیتے۔ آپؓ نے فرمایا کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میری اور ان لوگوں کی مثال ایک جماعت کی سی ہے جو سفر میں تھی۔ انہوں نے تمام رفقائے سفر سے تھوڑا تھوڑا مال لے کر اس غرض سے ایک شخص کے پاس جمع کر دیا کہ وہ ضرورت کے مطابق سب پر خرچ کرتا رہے گا۔ کیا اس شخص کیلئے حلال ہوگا کہ ان کا مال خرچ کرتے وقت ان پر اپنے آپ کو ترجیح دے؟ (۷۶)۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے پاس خمس کا مال لایا گیا۔ آپؓ نے فرمایا ایک قوم نے اپنی امانت ادا کر دی۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا امیر المومنین! اللہ کی جو امانت آپ کے ذمہ تھی وہ آپ نے ادا کر دی تو لوگوں نے بھی آپ کی امانت آپ تک پہنچا دی۔ اگر آپ بے جا حرص کرتے تو وہ بھی حرص کرنے لگتے (۷۷)۔

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ حکومت بازار کی مانند ہیں جن چیزوں کی وہاں مانگ ہوتی ہے وہی لائی جاتی ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا اگر بازار میں سچائی، نیکی، عدل اور امانت کی مانگ ہو تو یہ چیزیں لائی جائیں گی اگر اس جگہ جھوٹ، فسق و فجور، ظلم اور خیانت کا چلن ہو تو وہاں انہی اجناس کی درآمد ہوگی۔ حاکم وقت کا فرض ہے کہ وہ حلال ذرائع سے مال حاصل کرے اور اس جگہ خرچ کرے جہاں خرچ کرنے کا حق ہے اور حقدار کو اس کے واجب حق سے کبھی محروم نہ کرے'' (۷۸)

ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے مال کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ اموال کہ امام کتاب وسنت اور اجماع کی رو جس کے لینے کا حقدار ہے یعنی زکوٰۃ۔ جزیہ۔ خراج۔

۲۔ وہ اموال جن کا حاصل کرنا امام کیلئے حرام ہے۔ جس طرح وہ جرمانہ جو کسی شخص کے قتل پر گاؤں والوں سے اس کے وارث کی موجودگی میں وصول کیا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص ایسے جرم کا ارتکاب کرے جس پر شرعی حد لازم آتی ہو اور حاکم حد جاری کرنے کی بجائے اس سے بیت المال کیلئے رقم وصول کرلے (قتل کی سزا تو قصاص یا دیت ہے اور حد والے جرم پر جرمانہ تو لیا ہی نہیں جاسکتا بلکہ حد جاری کی جاتی ہے)

۳۔ وہ مال جو علماء میں مختلف فیہ ہے۔ مثلاً اس شخص کا مال جس کا ذو رحم تو موجود ہو لیکن ذی فرض اور عصبہ نہ ہو (۷۹)۔

زکوٰۃ جمع کرنے والے کا ظالمانہ رویہ:

حضرت ابو ہریرہؓ کو حضرت عمرؓ نے بحرین اور ہجر کا عامل مقرر کیا۔ وہ سال کے آخر میں دو تھیلیاں جن میں پانچ لاکھ درہم تھے لے کر حاضر ہوئے۔ انہیں دیکھ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے آج تک اس سے زیادہ مال یکجا نہیں دیکھا۔ اس میں کسی مظلوم سے چھینا ہوا یا ظلم وزیادتی سے حاصل شدہ مال یا کسی یتیم اور بیوہ کا غصب کیا ہوا مال تو شامل نہیں ہے؟ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں میں نے کہا ''نہیں خدا کی قسم اگر ایسا ہوتو میں ہی سب سے بڑا آدمی قرار پاؤں گا کہ سارا فائدہ (یعنی مال) تو آپ کے حصے میں آئے اور سارہ وبال میرے اوپر پڑے (۸۰)۔ حضرت عمرؓ کا ایک عامل بحرین سے پانچ لاکھ درہم لے کر حاضر ہوا۔ شام کے وقت عمر بن الخطاب کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں پانچ لاکھ درہم بحرین سے لے کر آیا ہوں۔ آپ نے اتنی بڑی رقم پر حیرت کا اظہار فرمایا۔ آپ نے فرمایا تم غنودگی کے عالم میں ہو۔ جاؤ رات گزارو پھر صبح میرے پاس آنا۔ میں صبح کو خلیفہ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا اسے پاکیزہ طریقے سے حاصل کیا گیا ہے؟ میں نے بتایا کہ میری معلومات کی حد تک پاکیزہ ذرائع ہی سے حاصل کیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

> ''مجھے بیت المال کے مال کے سلسلے میں تین ہی باتیں مناسب نظر آتی ہیں اسے حق کے ساتھ وصول کیا جائے، حق کی راہ میں دیا جائے اور باطل پر صرف کرنے سے روکا جائے۔ تمھارے مال کے سلسلے میں میری حیثیت وہی ہے جو کسی یتیم کے سرپرست کی ہوتی ہے اگر میں ضرورت مند نہ رہا تو بیت المال کے مال سے ہاتھ کھینچ لوں گا۔ اگر میں ضرورت مند ہو گیا تو اس میں سے معروف طریقہ کے مطابق کھاؤں گا'' (۸۱)

حضرت عمرؓ کے اس فرمان کہ بیت المال میں سے تین ہی باتیں مناسب دکھائی دیتی ہیں۔ اس میں پہلی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ حق کے ساتھ وصول کیا جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں پر ناحق ٹیکس عائد نہ کئے جائیں سرکاری محاصل کی وصولی میں ان پر تشدد نہ کیا جائے۔ جو کچھ وصول کیا جائے اسے عوام کی فلاح اور ان کے صحیح مصارف پر خرچ کیا جائے۔ باطل پر صرف

کرنے سے روکا جائے۔

میمون ابن مہران بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ عراق سے ہر سال دس کروڑ اوقیہ چاندی وصول کرتے تھے۔ پھر آپ کے پاس دس آدمی کوفہ سے دس بصرہ سے آتے اور ہر آدمی اللہ کی قسم اٹھا کر چار بار گواہی دیتا کہ یہ رقم پاکیزہ طریقے سے وصول کی گئی ہے کسی مسلم یا معاہد پر ظلم کر کے کچھ وصول نہیں کی گئی (۸۲)۔ میمون بن مہران ہی سے ایک اور روایت کتاب الخراج میں ہے کہ انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو جب کہ وہ الجزیرہ کے قاضی اور خراج وصول کرنے کیلئے عامل کے طور پر فائز تھے لکھا کہ ''صرف حلال مال وصول کرو'' (۸۳)۔ حلال مال کی وضاحت یہ ہے کہ جتنا کسی پر واجب ہے اتنا ہی وصول کیا جائے۔ کسی پر زیادتی کرتے ہوئے حق سے زائد وصول نہ کیا جائے۔ کسی سے رشوت وصول کر کے اسے ناجائز چھوٹ نہ دی جائے۔

امام ابوعبیدؒ نے اس سلسلے میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان **ما یجب علی المصدق من العد ل فی عمله وما فی ذالک من الفضل** ہے۔ اس میں انہوں نے روایات بیان کی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زکوٰۃ میں ظلم کرنے والا ایسا ہے جیسا زکوٰۃ سے روکنے والا۔ یعنی اگر زکوٰۃ وصول کرتے ہوئے وہ ظلم کرتا ہے تو لوگ اس کے ظلم سے بچنے کیلئے زکوٰۃ دینے سے گریز کریں گے (۸۴)۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ ابن جبلؓ کو جب یمن میں متعین فرمایا تو انہیں جو احکام دیئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کے عمدہ اور پسندیدہ مالوں کو ہاتھ نہ لگانا کہ ظلم ہے (۸۵)۔

امام ابو یوسف لکھتے ہیں کہ صدقات وصول کرنے والے لوگ دوسرے لوگوں کی صدقات کی وصولی کیلئے بھیج دیتے ہیں اور یہ لوگ ظلم و زیادتی کرتے ہوئے ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے اور اس کی روک کیلئے سربراہ کو بندوبست کرنا چاہیے (۸۶)۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات حکام اور رعیت دونوں ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حکام وہ وصول کرتے ہیں جس کا لینا ان کیلئے حلال نہیں اور عوام یہ رقم دینے سے انکار کرتے ہیں جس کا دینا ان کے ذمہ واجب ہے۔ مثلاً فوج شہری آبادی سے کوئی چیز جبراً وصول کرے یا کبھی کاشتکار سرکاری واجبات کی ادائیگی سے انکار کر دیں یا حکام کسی ایسے شخص کو جہاد سے مستثنیٰ قرار دے دیں جس پر جہاد لازم ہو۔ بعض اوقات حکام اللہ کے مال کو بے دریغ بے دردی سے اڑاتے ہیں۔ حالانکہ ایسا کرنا حرام ہے (۸۷)۔

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ حکمران اور عوام دونوں پر واجب ہے کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں۔ حکمران اور اس کا نائب (عامل) کا یہ فریضہ ہے کہ وہ تمام اہل حقوق کے عطیے ان تک پہنچائیں۔ افسر مال کا فرض ہے کہ وہ جو کچھ وصول کرتا ہے اس کی پائی پائی خزانے میں جمع کرائیں اور رعایا کا فرض ہے کہ وہ عاملین سے کوئی ایسی چیز طلب نہ کریں جس کے وہ حقدار نہیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ اس آیت کے مصداق بن جائیں گے کہ ''اے نبیؐ! منافقوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو تقسیم

اموال میں آپ پر بے انصافی کا الزام لگاتے ہیں۔ پھر اگر انہیں اس میں سے ان کی خواہش کے مطابق دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں ورنہ فوراً بگڑ جاتے ہیں اور اگر یہ لوگ اسی قدر مال جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے انہیں دیا تھا وہ بخوشی قبول کر لیتے اور صحابہ کی طرح کہتے کہ ہمیں بس اللہ کافی ہے اور اگر اس وقت کم دیا ہے تو آئندہ چل کر اللہ اپنے کرم سے اور اس کا رسول ﷺ ہمیں بہت کچھ اور دیں گے اور ہم تو اللہ ہی سے امید لگائے بیٹھے ہیں تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا۔ زکوٰۃ کا مال تو فقیروں محتاجوں اور ان اہل کاروں کا حق ہے جو مال زکوٰۃ اکٹھا کرنے پر تعینات ہیں اور ان غیر مسلموں کا جن کی تالیف قلب منظور ہو۔

مالیات کے شعبے میں عاملین کا ظالمانہ رویہ ایسی خرابی ہے جو حکمرانوں اور عوام کے درمیان فاصلے بڑھا دیتی ہے اس کی ایک شکل یہ ہے کہ عمال حکومت لوگوں سے محصول اور زکوٰۃ کے نام پر مقررہ شرح سے زائد وصول کرتے ہیں۔ ایسا کرنے والے شخص کو صاحبِ مکس کہا گیا ہے (۸۸)۔ ان لوگوں کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ ٹیکس وصول کرتے وقت اپنی ذاتی جیب کے لئے لوگوں سے زیادہ رقم کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جو ٹیکس دہندہ ان کا مطالبہ پورا کر دیتا ہے، اسے کسی نہ کسی طرح چھوٹ اور رعایت مل جاتی ہے اور جو ایسا نہیں کر پاتے، ان کے لئے مشکلات پیدا کی جاتی ہیں۔ آج کے دور میں ان لوگوں کے طرزِ عمل کو سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوگی۔ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو سخت ترین الفاظ میں متنبہ فرمایا کیونکہ یہ اپنے منصب سے ناجائز فائدہ بھی اٹھاتے ہیں اور ملکی خزانے کی آمدنی پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ لوگ ان سرکاری کارندوں کو رشوت دے کر ٹیکس وغیرہ کی مطلوبہ مقدار سرکاری خزانے میں جمع نہیں کرواتے اور ملک آمدنی سے محروم ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا يدخل الجنة صاحب مكس" (۸۹) "صاحبِ مکس جنت میں داخل نہیں ہوگا"

عثمان بن ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

"حضرت داؤدؑ اپنے اہل وعیال کے ساتھ رات کے ایک حصے میں جاگتے اور عبادت کیا کرتے تھے۔ کیونکہ رات میں ایک ایسا لمحہ ہوتا ہے جس میں جو دعا بھی کی جائے قبول ہوتی ہے۔ سوائے جادو کرنے والے اور ظالمانہ انداز سے ٹیکس وصول کرنے والے کے" (۹۰)

اس موضوع کی دیگر بھی کئی روایات موجود ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آدھی رات کو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ایک پکارنے والا (فرشتہ) پکارتا ہے کہ ہے کوئی سائل کہ اس کی دعا کے مطابق اسے عطا کیا جائے۔ ہے کوئی تکلیف میں مبتلا کہ اس کو تکلیف سے نجات دی جائے۔ اس طرح کوئی ایسا مسلمان نہیں بچتا کہ اس کی دعا کو قبولیت حاصل نہ ہو، سوائے زانیہ عورت یا زیادتی سے محاصل وصول کرنے والے شخص کے کہ ان کی دعا قبول نہیں کی جاتی (۹۱)۔

اس موضوع کی ایک روایت یوں ہے کہ آدھی رات کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے (مزید) قریب ہو جاتا ہے، ان کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ ان کے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں، سوائے زانیہ اور زیادتی سے ٹیکس وصول کرنے والے

کے(۹۲)۔

حضرت ابوسعید خدریؓ اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تمھارے اوپر ایسے حکمران اور عمال مقرر ہوں گے کہ ان کے اردگرد شریر لوگ جمع ہو جائیں گے۔ یہ لوگ نمازوں کو مؤخر کر دیں گے۔ تم میں سے جو کوئی ان کے زمانے میں موجود ہو تو نہ ان کا عریف (لوگوں کے حالات حکومت تک پہنچانے والا) بنے، نہ ان کا صاحب الشرطہ (پولیس مین) بنے اور نہ ان کے محاصل وصول کرنے والے محصلین بنیں، نہ ان کے خازن'' (۹۳)

ان احادیث میں جن لوگوں کو وعید سنائی گئی ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو زکوٰۃ، عشر یا کوئی اور ٹیکس وصول کرتے وقت لوگوں کو ناجائز طور پر چھوٹ دینے کے لئے ان سے رشوت وصول کرتے ہیں اور جو لوگ رشوت نہیں دیتے، ان سے اصل سے زائد ٹیکس وصول کرتے ہیں یا کسی اور طریقے سے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو بھی تلقین فرمائی ہے کہ وہ لوگوں سے ان کے بہترین مال وصول نہ کریں۔ لیکن یہ لوگ آپ ﷺ کی اس تلقین کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ازراہِ ظلم ان کے بہترین مال وصول کرنے لگیں۔

مذکورہ بالا احادیث میں عاملین زکوٰۃ کو سخت رویہ اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ کوئی عامل زکوٰۃ اگر ظلم کرتا ہے تو وہ اس بات کا حقدار ہے کہ اسے معزول کر دیا جائے کیونکہ ظلم کرنا فسق، حرام اور گناہ ہے۔

امام ابو یوسف نے خلیفہ کو محاصل کے سلسلے میں جو ہدایات دیں ان میں ایک یہ ہے کہ ''اگر خراج وصول کرنے والا لوگوں کے ساتھ زیادتی کرتا ہے تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں ایسا کرنے کا حکم حکومت کی طرف سے ملا ہوا ہے۔ اور یہ حکومت کی پالیسی ہے کہ لوگوں سے ظلم و جبر کے ساتھ محاصل وصول کئے جائیں۔ حالانکہ حکومت کی جانب سے ایسا کوئی حکم انہیں دیا نہیں گیا ہوتا اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محصل کی زیادتی اور تشدد کو حکومتی پالیسی سمجھ کر لوگ حکومت کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ ایک حکومتی فرد کے غلط رویے سے حکومتی پالیسی اور حکمران بدنام ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف خلیفہ کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اس طرح زیادتی کرنے والے تحصیل دار کو سزا دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس سزا سے ڈر کر دوسرے عمال ایسی پالیسی سے اجتناب کریں گے۔ اگر ایسے لوگوں کو سزا نہ دی گئی تو عمال کا لوگوں پر ظلم جاری رہے گا۔ اس سے حکومت اور حکمران بھی بدنام ہوں گے اور یہ لوگ عوام سے ناجائز وصولیاں بھی کرتے رہیں گے'' (۹۴)۔

حضرت علیؓ کو جب اس کی خبر ملتی کہ ان کے کسی عامل نے ظلم کیا ہے تو فرماتے اے اللہ میں نے ہرگز انہیں یہ حکم نہیں دیا تھا کہ تیری مخلوق پر ظلم کریں۔

امام ابو یوسف خلیفہ کو مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب کسی والی یا عامل کے بارے میں قطعیت کے ساتھ معلوم ہو

جائے کہ اس نے رعایا کے ساتھ ظلم وزیادتی کی ہے اور اپنی حدود سے تجاوز کیا ہے، رعایا کے ساتھ اپنے برتاؤ میں خیانت کی ہے، سرکاری مال ہضم کر بیٹھا ہے، یا اس کی سیرت و کردار نامناسب ہے تو آپ آئندہ اس سے کام لینا اور کسی طرح کی ذمہ داری سپرد کرنا اور اپنے سرکاری کاموں میں اسے دخیل بنانا چھوڑ دیں۔ اس کے ساتھ ہی ایسے افسر کو اتنی سزا دیں کہ وہ دوسروں کیلئے عبرت بن جائے اور اپنی اس طرح کی حرکتوں سے باز آجائے (۹۵)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب ایک عامل کے طور پر متعین تھے، عدی بن ارتاط نے آپ کو لکھا کہ ہمارے ہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے ذمہ واجب الادا خراج اس وقت تک ادا نہیں کرتے جب تک انہیں تھوڑا بہت عذاب نہ دیا جائے یعنی ان پر سختی نہ کی جائے۔ عمر بن العزیزؒ نے انہیں جواب میں لکھا ''مجھے حیرت ہے کہ تم نے مجھ سے انسانوں کو عذاب دینے کی اجازت طلب کی ہے گویا کہ میں تمھیں عذاب الٰہی سے بچالوں گا یا میری مرضی تمھیں غضب الٰہی سے بچالے گی میرا یہ خط وصول کرنے کے بعد یہ طریقہ اختیار کرو کہ جو شخص اپنے ذمہ واجب رقم آسانی سے ادا کردے اس سے لے لو اور جو نہ ادا کر سکے اس سے حلف لے کر اسے چھوڑ دو۔ خدا کی قسم یہ بات کہ لوگ اپنے جرائم کا بوجھ اٹھائے اللہ کے سامنے پیش ہوں مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں انہیں عذاب دینے کا جرم اپنے ذمہ لئے ہوئے اللہ کے سامنے حاضر ہوں'' (۹۶)۔ زکوٰۃ کے واجب ہونے کے بعد ابتدائی دور میں لوگوں پر کسی بھی طرح کی سختی کرنے سے منع کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو زکوۃ وصول کرنے کیلئے بھیجا تو وہ آپ کے پاس پختہ عمر کے اونٹ لے آئے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا:

''تم خود بھی تباہ ہوئے اور تم نے دوسروں کو بھی تباہ کیا'' (۹۷)

انہوں نے کہا میں ایک پوری عمر کا اونٹ لے کر اس کے عوض میں دو ایک سالہ اونٹ دے دیا کرتا تھا''۔ آپؐ نے فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا (۹۸)۔

امام ابو یوسف نے خلیفہ کو کتاب الخراج کی شکل میں جو ''معاشی ضابطہ'' تجویز کیا تھا اس میں انہوں نے زکوٰۃ اور دیگر ٹیکسوں کی وصولی میں لوگوں پر ظلم وزیادتی سے خاص طور پر سختی سے منع فرمایا۔ ان ہدایات میں اگرچہ ذمی اور خراج کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں لیکن ہم ان جگہوں پر خراج کی جگہ ٹیکس کے الفاظ ذھن میں رکھ سکتے ہیں۔ امام ابو یوسف خلیفہ کو مشورہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''جن لوگوں کو آپ مامور کریں انھیں پہلے ہی دن جتلا دیں کہ انھیں اپنی عمل داری کے باشندوں پر ظلم وزیادتی نہیں کرنی چاہیے، نہ ان کی تحقیر و توہین کرنی چاہیے، بلکہ تھوڑی سختی اور ہلکی گرفت کے ساتھ مجموعی طور پر نرم خوئی سے کام لینا چاہیے۔ رعایا پر ظلم کرنے یا بے جا بوجھ ڈالنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اُسے مسلمانوں کے ساتھ

نرمی، بدکرداروں کے ساتھ سختی، اہل ذمہ سے عادلانہ برتاؤ مظلوم کی دادخواہی، ظالموں پر سختی اور عام لوگوں کے ساتھ عفوودرگذر کی پالیسی اختیار کرنی چاہیے۔ یہی طریقہ لوگوں کو مطیع، فرماں بردار بنانے والا طریقہ ہے۔ خراج کی تحصیل اُسی ضابطہ کے تحت عمل میں لائی جائے جو ان والیوں کے لیے مقرر کر دیا گیا ہو۔ یہ لوگ اپنی طرف سے نئے طریقے وضع کر کے رعایا کے ساتھ کوئی دوسرا سلوک نہ کریں گویا عاملین حکومت کی طرف سے جاری شدہ ضابطے کی مکمل پابندی کی جائے والی کو چاہیے کہ اپنی مجلس میں تمام لوگوں کے ساتھ مساوی سلوک کرے تاکہ نزدیک اور دور کے لوگ، معزز پست حیثیت افراد، سب حق کے معاملہ میں اس کے سامنے بالکل برابر ہوں۔ والی کو اہواء وخواہشات کی پیروی سے بچتے رہنا چاہیے، کیوں کہ جو لوگ اللہ کا تقویٰ اختیار کرتے اور اس کی اطاعت وفرماں برداری کو دوسروں کی اطاعت وفرماں برداری پر ترجیح دیتے ہیں انھیں اللہ تعالیٰ نے چنے ہوئے بندے قرار دیا ہے'' (۹۹)

عاملین زکوٰۃ کی خصوصی نگرانی:

امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں:

''میرا خیال ہے کہ اگر خلیفہ اس طرح کی ہدایات جاری کر دیں کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ آپ اِس طریقہ کو دوسرے طریقوں پر ترجیح دے رہے ہیں، اور پھر کوئی دوسرا (ماتحت افسر) اس میں ترمیم وتبدیلی کر دے یا اس کے خلاف عمل کرے تو اللہ اس کا مواخذہ اُنھی لوگوں سے کرے گا، آپ سے نہیں کرے گا۔ آپ کو وہ انشاءاللہ آپ کی نیت کا پورا پورا اجر عطا فرمائے گا'' (۱۰۰)

امام ابویوسف خلیفہ کو مشورہ دیتے ہیں کہ ''اپنے مقرر کردہ سرکاری کارندے کے ساتھ آپ ایسے لوگوں کی ایک جماعت روانہ کیجئے جو آپ سے وفاداری اور خیرخواہی کا عہد کر چکے ہوں۔ ظاہر ہے کہ آپ کے ساتھ خیرخواہی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ آپ کی رعایا پر ظلم نہ کیا جائے۔ آپ حکم دیجیے کہ ان سپاہیوں کے مشاہرے ہر ماہ ان کے محکمے سے دیے جاتے رہیں تاکہ وہ کسی طرح کی بدعنوانی کی طرف مائل نہ ہوں۔ اس کے علاوہ خراج کی رقم سے انھیں ایک درہم بھی نہ دیا جائے۔ اگر اہل خراج خود سے یہ درخواست کریں کہ ہم لوگ صرف اپنے والی کا مشاہرہ اپنے یہاں سے ادا کر دیا کریں گے تو ان کی یہ درخواست نہیں منظور کی جانی چاہیے اور نہ ان پر یہ بوجھ ڈالنا چاہیے'' (۱۰۱)۔

سرکاری کارندوں کے غلط طور طریقے:

امام ابویوسف کہتے ہیں:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ عامل یا والی کے بہت سے حاشیہ نشین ہوتے ہیں بعض ان کے رشتہ دار ہوتے ہیں اور

بعض سفارشوں اور تعلقات کے سہارے آجاتے ہیں' یہ اچھے اور بھلے کردار کے آدمی نہیں ہوتے ۔ والی ان لوگوں سے اپنے مختلف کاموں میں مدد لیتا اور ان کے ذریعہ بقائے وصول کراتا ہے ۔ ان لوگوں کے سپرد جو کام کیا جاتا ہے اُسے یہ ٹھیک طرح سے انجام دیتے ہیں نہ ہی اہل معاملہ کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرتے ہیں ۔ انھیں بس اِس سے غرض ہوتی ہے کہ کہیں سے کچھ حاصل کرلیں ۔ خواہ مال خراج میں سے ہو خواہ رعایا کے ذاتی اموال میں سے ۔ مزید برآں، یہ مال ظلم وزیادتی کر کے حاصل کرتے ہیں'' (۱۰۲)

امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں:

''ایک رواج یہ بھی ہے کہ والی اور اس کے حاشیہ نشینوں کی جماعت کسی بستی میں قیام کرتی ہے تو وہاں کے لوگوں سے اپنی مہمان داری کا مطالبہ کرتی ہے جو ان کی بساط سے باہر ہوتا ہے اور جس کے پورا کرنے کی ذمہ داری ان پر کسی طرح بھی عائد نہیں ہوتی کہ جبر سے ان سے یہ مطالبہ پورا کروایا جائے اس طرح یہ لوگ رعایا کو بے جا طور پر دبانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ یہ لوگ ایسا بھی کرتے ہیں کہ انہی حاشیہ نشینوں میں سے کسی کو خراج کا بقایا وصول کرنے کیلئے کسی کے پاس بھیج دیتے ہیں ۔ اور ان سے یہ کہہ دیا کہ میں تمھیں اس بقایا ادا کرنے والے سے اتنی رقم اپنے لیے وصول کرلینے کا بھی حق دیتا ہوں ۔ بسا اوقات یہ لوگ اس شخص کو اپنے لئے اس رقم سے بھی زیادہ رقم وصول کرلینے کا حق دے دیتے ہیں جو اس کے ذمہ ہوتی ہے ۔ یہ گماشتہ جب باقی دار کے پاس جاتا ہے تو کہتا ہے کہ والی نے میرے لیے جو نذرانہ مقرر کیا ہے وہ بھی لاؤ اور وہ اس قدر ہے ۔ اب باقی دار نذرانہ کی مطلوبہ رقم نہیں ادا کرتا تو یہ اُسے مارتا پیٹتا ہے ۔ اس کی گائے ، بکریاں ہنکالاتا ہے اور جن کمزور کاشت کاروں پر اس کا بس چلتا ہے انھیں بھی پکڑ لاتا ہے اور اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک ظلم وزیادتی کے ذریعہ مطلوبہ رقم وصول نہ کرلے'' (۱۰۳)

یہ حرکتیں گناہ کا کام ہیں مزید یہ کہ ان سے اہل خراج کو بے جا تکلیف پہنچتی ہے اور مالیہ کی آمدنی میں بھی کمی آجاتی ہے آپ والی کو حکم دیجیے کہ ان حرکتوں اور ان جیسے دوسرے کاموں کا سلسلہ فوراً بند کردے اور آئندہ والی کے ساتھ اس قسم کے لوگ نہ لگنے پائیں جن کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے ۔ ہونا یہ چاہیے کہ آپ کے نام پر جو مال وصول کیا جائے حلال طریقہ سے وصول کیا جائے اور صرف مناسب جگہوں پر حق کے مطابق صرف کیا جائے ۔ میں نے سپاہیوں کو والی کے ساتھ بھیجنے کا مشورہ دیا ہے ان کے انتخاب کا جلد اہتمام کیجئے ۔ یہ لوگ فوج کے بہترین عناصر پر مشتمل ہوں، سمجھ بوجھ رکھتے ہوں ۔ اور فارغ البال ہوں (۱۰۴) ۔

گزشتہ تفصیلات کی روشنی میں مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

زکوٰۃ کی وصولی کے سلسلے میں لوگوں سے نرمی برتی جائے ۔ جبر نہ کیا جائے ۔ محاصل وصول تو ضرور کئے جائیں لیکن اس

کا نتیجہ لوگوں کو نقصان پہنچانا نہ ہو۔ محاصل کی وصولی میں اگر تشدد کیا گیا، ناروا قوانین بنائے گئے تو لوگوں میں ٹیکس کی ادائیگی سے فرار اور ٹیکس قوانین کی خلاف ورزی کا رجحان پیدا ہوگا۔ ماہرین معاشیات کا یہ خیال ہے کہ ٹیکسوں کا غیر متوازن نظام لوگوں میں ٹیکس ادا نہ کرنے کا رجحان پیدا کرتا ہے۔ (پاکستان اس کی ایک مثال ہے)۔ لوگوں کی ذہنی تربیت کی جائے۔ ان میں اللہ کی رضا اور ملکی محبت کے جذبے کو اجاگر کر کے ذھنی اور قلبی طور پر تیار کیا جائے کہ وہ خوشی کے ساتھ ٹیکس ادا کرنے والے بن جائیں۔ اس کا واضح ثبوت حضرت عمرؓ کا دور ہے انہوں نے ٹیکسوں کی وصولی میں عدل اور نرمی کو اپنا اصول بنایا تو خراج کی مقدار آٹھ کروڑ سے دس کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ سالہائے مابعد میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا، اس پر بھی حضرت عمرؓ کو یہ احتیاط تھی کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دس ثقہ اور معتمد اشخاص کوفہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کیے جاتے تھے اور حضرت عمرؓ ان کو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مال گزاری کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے (۱۰۵)۔ یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمرؓ نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا لیکن جس قدر مال گزاری ان کے عہد میں وصول ہوئی زمانہ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے کہ حجاج پر خدا لعنت کرے کم بخت کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی۔ عمر بن الخطابؓ نے عراق کی مال گزاری ۱۰ کروڑ ۲۸ لاکھ درہم وصول کی۔ زیاد نے ۱۰ کروڑ ۱۵ لاکھ اور حجاج نے باوجود جبر اور ظلم کے صرف ۲ کروڑ ۸ لاکھ وصول کیے۔ مامون الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے لیے مشہور ہے لیکن اس کے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد ۵ کروڑ ۴۸ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی (۱۰۶)۔

زکوٰۃ ادا کرنے والوں کیلئے ہدایات:

حضرت جریر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ دیہات کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول ﷺ زکوٰۃ وصولی کرنے والے آ کر ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو راضی کیا کرو حضرت جریر کہتے ہیں جب سے میں نے رسول ﷺ کا یہ ارشاد گرامی سنا ہے مجھ سے کوئی زکوٰۃ وصول کرنے والا ناراض ہو کر نہیں گیا'' (۱۰۷)۔ ایک صحابی بشیر سے روایت ہے ہم نے رسول ﷺ سے کہا کہ اہل صدقہ ہمارے ساتھ زیادتی کرتے ہیں کیا جتنی زیادتی وہ ہم سے کرتے ہیں اس قدر ہم مال ان سے چھپا لیا کریں؟ آپؐ نے فرمایا ''نہیں''۔ کتب حدیث میں اس موضوع کی مزید روایات بھی موجود ہیں (۱۰۸)۔ اگر اس سلسلے میں احادیث کے ذخیرے کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اور وصولی کے اعتبار سے اسلام کا ضابطہ یہ ہے کہ لوگ عاملین زکوٰۃ سے کوئی چیز نہ چھپائیں۔ زکوٰۃ کی رقم ادا کرنے کیلئے کوئی حیلہ اور دھوکے کا طریقہ اختیار نہ کریں مثلاً عمدہ مال چھپا کر گھٹیا مال ہی عامل کے سامنے پیش نہ کریں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا تم ''لوگوں کے پاس کچھ ایسے سوار آئیں گے جو تمھارے لئے پسندیدہ نہیں ہوں گے۔ اگر وہ تمھارے پاس آئیں تو تم انہیں خوش آمدید کہو اور جس زکوٰۃ کا وہ مطالبہ کریں اسے ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالو۔ اگر وہ زکوٰۃ کی وصولی میں تمھارے ساتھ انصاف

کریں گے تو یہ بات ان کے حق میں بہتر ہوگی اور اگر وہ اس کام میں تمھارے اوپر ظلم کریں گے تو یہ بات ان کے خلاف جائے گی۔ تاہم تم انہیں ضرور راضی کرو۔ کیونکہ ان کا خوش ہو جانا تمھاری زکوٰۃ کی ادائیگی کی تکمیل ہے۔ انہیں بھی چاہیے کہ زکوٰۃ کی وصولی کے بعد وہ تمھارے لئے دعا کریں'' (۱۰۹)۔ امام ابو یوسف لکھتے ہیں کہ ''زکوٰۃ وصول کرنے والے شخص نے دیہاتی علاقے میں سے جا کر اسی طریق پر زکوٰۃ وصول کرنا چاہی جیسے رسول ﷺ نے اسے حکم دیا تھا۔ اور لوگوں سے کہا کہ مجھے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے کہ میں لوگوں سے صدقہ وصول کروں تاکہ اس کے ذریعے تمھارے دلوں اور تمھارے مالوں کا تزکیہ ہو۔ اس پر اس آدمی نے کہا کہ اٹھو اور زکوٰۃ لے لو۔ اس نے حضور اکرمؐ کے حکم کے مطابق ضعیف العمر اونٹ نکالے۔ اس پر زکوٰۃ دینے والے نے کہا خدا کی قسم تجھ سے پہلے کوئی دوسرا شخص کبھی میرے اونٹوں میں سے اللہ کیلئے کچھ لینے کھڑا نہیں ہوا۔ خدا کی قسم تمہیں چن چن کر عمدہ اونٹ لینے پڑیں گے زکوٰۃ وصول کرنے والا شخص حضورؐ کے پاس آیا اور اس نے سارا واقعہ آپ کو سنایا۔ آپؐ نے اس شخص کیلئے دعا فرمائی (۱۱۰)۔

ان تمام تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ محاصل کی وصولی کے تینوں ارکان حکومت (مالیاتی پالیسی بنانے والے) عمّال (اس پالیسی کو عملی جامہ پہنانے والے) اور عوام (ٹیکس دینے والے) کو اپنے اپنے مقام پر ہدایات دی گئی ہیں کہ حکومت معقول اور عادلانہ ٹیکس کا نظام تشکیل دیں، عمّال ظالمانہ انداز اختیار کرنے سے اجتناب کریں اور عوام خوشدلی سے ٹیکس ادا کریں۔ اصل ذمہ داری حکومت کی ہے کہ وہ عمّال کی تقرری اور ٹیکسوں کی وصولی کے نظام کی نگرانی کرے عوام کو حکم ہے کہ وہ ٹیکس ادا کرتے ہوئے عمال کو راضی کریں۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو عوام، عمّال کے ظلم کا شور مچا کر ٹیکسوں کی ادائیگی سے فرار کی راہ اختیار کر لیں گے جس سے ملک کو معاشی نقصان بھی ہوگا' مالی بدعنوانی کو بھی فروغ حاصل ہوگا۔ عوام کی اخلاقی حالت خراب ہوگی۔ حکومت اور عوام کے درمیان دوری اور نفرت پیدا ہوگی امن و امان کا مسئلہ خراب ہوگا اور آخر میں مملکت کا استحکام متاثر ہوگا۔

عمال کو کسی بدعنوانی سے بچانے کیلئے مشاہرے:

حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے حضرت عمرؓ سے شکوہ کیا کہ آپ نے رسول ﷺ کے صحابہؓ کو (سیاسی مناصب دے کر دینوی زندگی میں) آلودہ کر دیا ہے۔

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:

''اگر میں دین کی سلامتی (دفاع دین) کیلئے دین داروں سے مدد نہ لوں تو کس سے مدد لوں'' انہوں نے فرمایا

''اگر آپ نے ایسا ہی کرنا ہے تو انہیں اتنا معاوضہ دیجئے کہ وہ خیانت کرنے سے بے نیاز ہو جائیں'' (۱۰۴)

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جب خلیفہ ایسے لوگوں کو عمال کے طور پر متعین کرلے جن کی امانت و دیانت کے بارے میں مکمل اطمینان ہو تو ان کیلئے اس قدر وظائف مقرر کر دئے جائیں جو اس قدر ہوں کہ یہ لوگ کسی طرح کی بدعنوانی نہ کریں۔ لیکن یہ وظائف صدقات سے حاصل ہونے والی آمدنی سے بڑھ نہ جائیں (۱۰۵)۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ یہ وظائف ان لوگوں کی ضرورت کے مطابق ہونے چاہییں اور یہ تنخواہیں زکوٰۃ سے وصول ہونے والے مال کے 1/8 سے کم بھی ہوسکتی ہیں اور زیادہ بھی۔ البتہ تحصیل زکوٰۃ کے ذمہ دار کو اتنی تنخواہ دی جائے جو اس کے ماتحت کارکنوں کیلئے تنگی یا اسراف کے بغیر متوسط معیار کے ساتھ گزر بسر ہوسکے (۱۰۶)۔ امام ابوعبید لکھتے ہیں ابن بکیر مالک سے روایت کرتے ہیں زکوٰۃ کے محصل کیلئے کوئی مقررہ اجرت و تنخواہ مقرر نہیں ہے۔ اس کا فیصلہ امام کے اجتہاد اور اس کی صوابدید پر موقوف ہے امام ابوعبید لکھتے ہیں کہ سفیان اور اہل عراق کا بھی قول یہی ہے اور (ان کے بقول) ان کے ہاں بھی اسی پر عمل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ کل حاصل شدہ زکوٰۃ کا 1/8 حصہ تمام ملک کے عاملین کیلئے مختص ہوگا۔ امام ابوعبید لکھتے ہیں کہ اگر اس طرح 1/8 میں عاملین کی تنخواہیں محدود کردی جائیں تو مصارف زکوٰۃ کے ہر مصرف (مسکین، زکوٰۃ فقراء، جمع کرنے والے، مولفۃ القلوب، رقاب، غارمین فی سبیل اللہ ابن السبیل) کو 1/8 میں محدود کرنا پڑے گا امام ابوعبید لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ عاملین و محصلین زکوٰۃ دیگر عمال و حکام کی طرح جو ٹیکس جمع کرتے ہیں مسلمانوں کے نگران افسروں اور اہل کاروں کا ایک حصّہ ہیں اور ان لوگوں کو ان کی کارکردگی اور محنت کے کے مطابق اجرت دی جائے گی۔ اس ضمن میں نہ تو ان کے ساتھ کمی روا رکھی جائے گی اور نہ دیگر عاملین حکومت کے مقابلہ میں انہیں کچھ زائد دیا جائے گا (۱۰۷)۔

رسول اللہ ﷺ اور آپؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی پالیسی یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ عاملین کو خزانے سے تنخواہ دیتے تھے۔ ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض حضرات نے اپنے تقویٰ یا مالی طور پر خوشحال ہونے کی بناء پر سرکاری منصب کی تنخواہ وصول کرنے سے انکار کردیا تو آپؓ نے انہیں تنخواہ وصول کرنے پر قائل کیا۔ بخاری میں ہے عبداللہ بن السعدی نے خبر دی کہ وہ حضرت عمرؓ کے پاس ان کے زمانہ خلافت میں آئے تو ان سے حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ مجھ سے یہ جو کہا گیا ہے کیا وہ صحیح ہے کہ تمھیں لوگوں کے کام سپرد کئے جاتے ہیں اور جب اس کی تنخواہ دی جاتی ہے تو تم اسے لینا پسند نہیں کرتے؟ میں نے کہا کہ یہ صحیح ہے۔ آپؓ نے پوچھا کہ تمھارا اس سے مقصد کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میرے پاس گھوڑے اور غلام ہیں اور میں مالی طور پر اچھی حالت میں ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میری تنخواہ لوگوں میں صدقہ ہوجائے۔ عمرؓ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ کیونکہ میں نے بھی ایسا ہی ارادہ کیا تھا جیسا تم نے کیا ہے۔ حضورؐ مجھے عطا فرماتے تھے اور میں کہہ دیتا تھا کہ اسے مجھ سے زیادہ ضرورت مند کو دے دیں۔ آخر ایک مرتبہ آپؐ نے مجھے مال عطا فرمایا اور میں نے وہی بات دہرائی کہ اسے ایسے شخص کو دیجئے جو اس کا مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو۔ آپؐ نے فرمایا اسے لے لو اور اس کا صدقہ کردو۔ مال جب تمھیں اس طرح ملے کہ تم اس کے نہ خواہش مند ہو اور نہ اسے مانگا ہو تو اسے لے لیا کرو اور اگر اس طرح نہ ملے تو اس کے پیچھے نہ پڑا کرو (۱۰۸)۔

اگلی روایت میں ایک دوسرا واقعہ بھی ہے کہ عبداللہ ابن عمرؓ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمرؓ سے سنا۔ آپؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ مجھے عطا فرماتے تھے تو میں کہتا تھا کہ آپ اس شخص کو دے دیں جو مجھ سے زیادہ اس کا مستحق ہو۔ پھر آپؐ نے ایک مرتبہ مجھے مال دیا اور میں نے لینے سے معذرت کی۔ آپؐ نے فرمایا اسے لے لو اور اس کا مالک بننے کے بعد اس کا صدقہ کردو۔

جب تمھیں یہ مال اس طرح ملے کہ تم اس کے خواہش مند نہ ہو اور نہ تم نے اسے مانگا ہو تو اسے لے لیا کرو اور جو اس طرح نہ ملے اسے نہ لیا کرو(۱۰۹)۔

اس اصول میں یہ حکمت دکھائی دیتی ہے کہ اگر ایک حقیقی طور پر متقی شخص اپنی مالی وسعت یا احتیاط کی بناء پر تنخواہ وصول کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو دوسرے شخص کیلئے تنگی پیدا ہو سکتی ہے۔ جس کی مالی حالت ایسی نہیں کہ وہ تنخواہ کے بغیر گزارہ کر سکے لیکن تقوی اور احتیاط کی بناء پر وہ تنخواہ وصول نہ کرے تو اس کے اور اس کے اہل وعیال کیلئے تنگی پیدا ہو جائے گی۔ تنخواہ وصول کرنے سے انکار یقیناً تقوی کی وجہ سے تھا لیکن حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ اس سے ان کیلئے بھی عملی زندگی میں دقتیں پیدا ہوں گی اور کئی دوسرے لوگ بھی مشقت کا شکار ہو جائیں گے۔ ویسے بھی عامل کا تنخواہ وصول کرنے سے انکار سے قرآن کے عدمِ حرج اور قلتِ تکلیف کے اصول کی خلاف ورزی ہوتی ہے ہوسکتا ہے کہ متقی اور اہل لوگ محض اس لئے یہ عہدہ قبول نہ کریں کہ بطور عامل عہدہ قبول کرنے کی صورت میں ان پر تنگدستی آسکتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص ان لوگوں کی دیکھا دیکھی تنخواہ لینے سے انکار کر دے لیکن تقوی اور احتیاط میں وہ اعلیٰ درجہ پر نہ ہو اور بعد میں تنگدستی کی زندگی گزارنے پر قائم نہ رہ سکے اور ناجائز ذرائع اختیار کرے۔ اس صورت میں حضرت عمرؓ کی اس حکمت عملی کہ ہر عہدہ دار تنخواہ لازماً وصول کرے، میں بہت حکمت دکھائی دیتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا زمانہ تو قرنِ اول تھا۔ بعد کے دور میں ہوسکتا ہے کوئی عہدے دار محض ریا کاری اور عوام میں اپنی شہرت اور دیانت داری کی دھاک بٹھانے کیلئے تنخواہ نہ لینے کا اعلان کر دے۔ عوام میں تو یہی تاثر ہو کہ ہمارا نمائندہ کتنا ایثار پسند اور عوام دوست ہے کہ وہ تنخواہ تک وصول نہیں کرتا لیکن درونِ خانہ وہ بدعنوانی کا مرتکب ہوتا ہو۔ اس حکمت عملی سے ان تمام شبہات کا تدارک ہو جاتا ہے۔

عاملین زکوٰۃ مصارف ثمانیہ میں سے ایک مصرف ہے۔ حاصل شدہ زکوٰۃ میں سے عاملین زکوٰۃ کیلئے خرچ کرنے کے حوالے سے فقہاءِ کرام لکھتے ہیں کہ امام المسلمین عامل زکوٰۃ کو اتنا دے جو عامل کو اور اس کے شریک کار لوگوں اور ان کے عیال کیلئے کافی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عامل اور اس کے معاونین نے خود کو مسلمانوں کے کام کیلئے فارغ کر رکھا ہے اس لئے وہ رزق حاصل کرنے کے مستحق ہیں۔ شریک کار لوگوں میں ایک عریف ہیں جو عامل زکوٰۃ کو ان لوگوں کا پتہ بتاتے ہے جنھوں نے زکوٰۃ ادا کرنی ہے جیسے قبیلے کا نقیب ہوتا ہے۔ دوسرے قاسم ہیں یعنی بٹائی کرنے والے، تیسرے کاتب جو وصولیابی کو رجسڑوں میں درج کرتے ہیں۔ چوتھے حاشر جو مال کے مالکوں کو بلا کر عامل کے پاس جمع کرتے ہیں۔

امام شافعی کا نقطہ نگاہ یہ ہے کہ کل جمع شدہ زکوٰۃ کے 1/8 میں سے عاملین کو دیا جائے گا لیکن احناف کا خیال ہے کہ عامل کو بقدر ضرورت دیا جائے گا(۱۱۰)۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ابو عبید القاسم ، امام،کتاب الاموال ، دارلفکر ، 1988، ص 685،نمبر 1819،1818، باب دفع الصد قة الی لامراء م واختلاف العلماء فی ذالك

۲۔ ایضاً ص 685،نمبر 1820

۳۔ بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ، حدیث نمبر 1395 تا 1400

٤۔ بخاری ، کتاب الزکوٰۃ باب اخذ الصدقة من الاغنیا ء وتر دالی الفقراء، حدیث نمبر 1496 ص 118

٥۔ بخاری ، کتاب الزکوٰۃ ، باب اثم مانع الزکوٰۃ ، حدیث نمبر 1402، 1403

مسلم ، کتاب الزکوٰۃ ، باب اثم مانع الزکوٰۃ ، حدیث نمبر 2290، 2299

٦۔ ترمذی ، جامع ترمذی ،کتاب الزکوٰۃ، باب ماجاء فی العامل علی الصدقة بالحق ، حدیث نمبر 645

منذری ، الترغیب و الترهیب ، کتاب فی العمل علی الصدقةبالتقویٰ، ج دوم ، ص ٧٩

٧۔ مسلم ، امام ، الجامع الیصحح المسلم ، کتاب الزکوٰۃ ، باب اجرا لخازن الا مین،

٨۔ ابودائود ، کتاب الخراج والامارة والفیء ،باب فی السعایة علی الصدقة، ج سوم ص ١٢٣ ، حدیث ٢٩٣٦

٩۔ الترغیب ، کتاب فی العمل علی الصدقة بالتقویٰ ، ص ٧٩

۱۰۔ ایضاً ص ۸۰

۱۱۔ ابو یوسف، امام کتاب الخراج ص 82

۱۲۔ ایضاً ص ۸۰

١٣۔ نمائة السعایه فی حل الهدایه، ص ١٦٦

۱۴۔ ابن تیمیہ، السیاسة الشرعیة فی اصلاح لراعی والرعیة، دارالدعوۃ الاسلامیہ، لاہور، ص 24

۱۵۔ کتاب الخراج ص، 106

۱۶۔ الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد (مترجم سید محمد ابراہیم، الاحکام السطانیہ، ادارہ اسلامیات، پاکستان، 1988، ص 193)

١٧۔ عبدالرحمٰن ، الجزیری ، الفقه علی المذاهب الاربعة

۱۸۔ کتاب الخراج، ص 81

۱۹۔ نور محمد غفاری ڈاکٹر، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، ص ۲۳۶

٢٠۔ نسائی ، سنن نسائی ، کتاب الزکوٰۃ ، باب استعمال آل النبی ﷺ علی الصدقة ، حدیث نمبر ٢٦١٤

مسلم ، کتاب الزکوٰۃ ، باب ترك استعمال آل النبی علی الصدقة، حدیث نمبر 2481, 2482

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ کتاب الخراج، ص 113

۲۳۔ کتاب الخراج، ص 113

۲۴۔ کتاب الخراج، ص 80-81

٢٥۔ ترمذی ، کتاب الا حکام ، باب ماجاء فی هدایا الا مرا ء ، ج سوم ، ص ٦٢١

٢٦۔ ابودائود ، کتاب الا مارة ، باب فی غلول الصدقه ، ج سوم ،ص ١٣٥ ، حدیث نمبر ٢٩٤٧

۲۷۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، جلد اول، صفحہ ۴۲۲، زیر آیت آل عمران: ۱۶۱ (ما کان للنبی ان یغل ـ ـ)

۲۸۔ الترغیب والترھیب، باب الترغیب فی العمل علی الصدقة، ج دوم، ص ۸۶

۲۹۔ کتاب الخراج، ص 115

۳۰۔ کتاب الخراج ص 115

۳۱۔ النساء: 105

٣٢۔ کتاب الاموال ، باب مایستحب لارباب الماشیة ان یفعلوهُ عند اتیان المصدق ایاهم ، ص 498

ابودائو د ، کتاب الزکوٰۃ ، باب این تصدق الاموال ، حدیث نمبر 1591، ص 1342

۳۳۔ كتاب الاموال ،باب الجمع بين المتفرق، والتفريق بين المجتمع، وتراجع الخليطين في صدقة المواشي، حديث نمبر 1052

۳۴۔بخاری شریف باب کا عنوان ۔" لا يجمع بين مفترق ولا يفرق بين مجمع" روایت نمبر1052

۳۵۔ ایضاً حدیث نمبر ۳۵ ۳۶۔ ایضاً، حدیث نمبر ۱۴۵۸

۳۷۔ (1564)(ابوداود، کتاب الزکوۃ، باب فی زکوۃ السائمہ، حدیث 1579

۳۸۔ (ابوداؤد، حدیث نمبر 1582) ۳۹۔ (ایضاً حدیث نمبر 1581)

۴۰۔ (ایضاً، حدیث نمبر 1583) ۴۱۔ کتاب الخراج، ص 82

۴۲۔ کتاب الخراج، ص82 ۴۳۔ (کتاب الاموال، ص494) مزید کتاب الخراج، ص83

۴۴۔ کتاب الخراج، ص83

۴۵۔ یہ اصول وضوابط حدیث کی ہر کتاب میں کتاب الزکوۃ کے تحت بیان ہوئے ہیں مثلاً مسلم، کتاب الزکوٰۃ ، باب ارضاء الساعي مالم يطلب حراما اور باب ارضاء لسعاية ۴۶۔ بخاری :1403

۴۷۔ مسلم ، كتاب الزكوٰة ، باب الدعاء لمن اتیٰ بصدقة ، حديث نمبر 2492، ص849

۴۸۔ مسلم، کتابِ الزکوٰۃ، باب الدعاء لمن اَتیٰ لصدقتة شرح نووی ترجمه؛ ج سوم، ص 98

۴۹۔ ابن ماجه، كتاب الزكوٰة، باب ما ليقال عند اخراج الزكوٰة، حديث 1797

۵۰۔ جصاص، ابوبکر، احکام القرآن، جلد پنجم، ص415

۵۱۔ مسلم ، كتاب الامارة ، باب تحريم هدايا العمال ، اس باب ميں سات هم مضمون احاديث موجودهيں۔ ج سوم ، ص1463۔1464 حديث نمبر 1832

ابوداؤ د ، سنن ، كتاب الخراج والامارة ، باب في ارزاق العمال ، حديث نمبر ، 1173۔

۵۲۔ غفاری، نور محمد، ڈاکٹر، نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی، ص238۔ ۵۳۔ السیاسۃ الشرعیۃ، ص51

۵۴۔ ابوداؤد ، كتاب الخراج ،الامارة ، باب في ارزاق العمال ، ج سوم، ص 134، حديث نمبر 2943

۵۵۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، جلد اوّل، ص422، زیر آیت آل عمران: 161

۵۶۔ کتاب الخراج، ص116 ۵۷۔ ایضاً، ص116

۵۸۔ الانفال: 27 ۵۹۔ النساء: 105

۶۰۔ الانفال: 58

۶۱۔ ابوداود، كتاب في الاستعاذه ، ج دوم، ص ۹۰، حديث نمبر ۱۵۴۷

۶۲۔ کتاب الخراج، ص112 ۶۳۔ کتاب الخراج، ص81-82

۶۴۔ (۱) بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح البخاری

(۲) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، الجامع الصحیح ،باب ما جاء في رفع الامافة، دارالتراث، بیروت، حدیث نمبر ۲۱۷۹

(۳) ابن ماجہ، سنن ،کتاب الفتن، باب ذهاب الا مانة ، حديث نمبر ۴۰۵۳

۶۵۔ بخاری، كتاب فضائل الصحاب النبی ، ج چهارم ، ص ۱۸۹ ،حديث نمبر ۳۴۵۰

۶۶۔ ابو یوسف، امام، کتاب الخراج، ص۱۴-۱۵ ۶۷۔ ایضاً، ص۱۲-۱۵ (ملخصاً)

۶۸۔ ایضاً، ۶۹۔ بحواله ابن كثير ، ج اوّل ص 422

۷۰۔ ابوداؤد، کتاب الخراج الامارۃ، باب فی ارزاق العمال، ج سوم، ص134، حدیث نمبر 2945

۷۱۔ ایضاً ، ص 1172 ۷۲۔ ابن کثیر، جلد اوّل، ص427

۷۳۔ مسلم ، کتاب الا مارۃ ، باب تحریم الهدایا العمال ، ج سوم ، ص 1465، حدیث 1833

۷۴۔ الترغیب و الترهیب، باب الترغیب فی انجازالوعد ،ج چهارم ، ص ٤١٥

۷۵۔ ابن کثیر،جلداول،ص۵۷۴

۷۶۔ ابن تیمیہ،السیاسۃ الشرعیہ،ص36

۷۷۔ ایضاً

۷۸۔ ایضاً،ص63

۷۹۔ السیاسۃ الشرعیۃ،ص۴۷

۸۰۔ کتاب الخراج،ص114

۸۱۔ ایضاً،ص۱۱۴

۸۲۔ ایضاً،ص114

۸۳۔ ایضاً،ص۱۱۴۔۱۱۵

۸۴۔ کتاب الاموال،روایت نمبر۱۰۸۱،۱۰۸۲(75b) ایضاً،روایت نمبر۱۰۸۴

۸۵۔ ایضاً:291

۸۶۔ کتاب الخراج،ص۱۱۱

۸۷۔ السیاسۃ الشرعیۃ،ص۴۷

۸۸۔ کتاب الخراج،ص۱۰۷

۸۹۔ ابوداود،کتاب الخراج،باب السعایۃ علی الصدقۃ،حدیث نمبر2937

۹۰۔ ابو دائو د ، کتاب الخراج والاماره ، باب السعایه علی الصدقة ، جسوم ، ص 132 حدیث نمبر 2937

۹۱۔ الترغیب و التر هیب، یستجاب الدعا من کل احدالالزانی و العشار ،ج دوم ، ص 87

۹۲۔ ایضاً

۹۳۔ ایضاً

۹۴۔ ایضاً

۹۴۔ کتاب الخراج،ص110

۹۵۔ ایضاً،ص۱۱۱

۹۶۔ ایضاً،ص119

۹۷۔ ایضاً،ص83

۹۸۔ ایضاً :83

۹۹۔ ایضاً ،ص107

۱۰۰۔ ایضاً،ص107

۱۰۱۔ ایضاً،ص107

۱۰۲۔ ایضاً ،ص107۔108

۱۰۳۔ ایضاً،ص 108

۱۰۴۔ ایضاً،ص 108

۱۰۵۔ ایضاً،ص 114

۱۰۶۔ شبلی نعمانی،الفاروق،(بحوالہ بلدزری،معجم البلدان)،مکتبہ رحمانیہ،لاہور،ص۲۰۶

۱۰۷۔ ابودائود ، کتاب الزکوٰۃ ، باب رضاء المصدق ، حدیث نمبر 1589ص 1341

۱۰۸۔ مسلم، کتاب الزکوٰۃ ، باب ارضاء الساعی مالم یطلب حراماً،حدیث نمبر 2494

ابوداود، کتاب الزکوٰۃ، باب رضاء المصدق، حدیث نمبر 1586تا 1589

۱۰۹۔ ابوداود،حدیث نمبر۱۵۸۸

۱۱۰۔ کتاب الخراج،ص۸۳